حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

تحذیر الناس

دار الکتاب دیوبند (یوپی)

تحذیر الناس

تصنیف

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

بانی دارالعلوم دیوبند

مع توضیحات المطالب

بعد نظر ثانی و تصحیح اغلاط وغیرہ

ناشر

۲۴۷۵۵۴

دارالکتاب دیوبند۔ یوپی

نام کتاب ——— تحذیر الناس

مصنف ——— حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

تعداد صفحات ——— ۷۲

سن اشاعت عکسی ایڈیشن ——— ۱۹۹۷ء

کتابت ——— ابوالحسنات سادر القاسمی

باہتمام ——— واصف حسین مالک دارالکتاب دیوبند

ناشر:-

۲۲۷۵۵۴

دارالکتاب دیوبند۔ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید نے بہ تتبع ایک عالم کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی در بارۂ قول ابن عباس رضؓ جو دُرِّ منثور وغیرہ میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض اٰدم کاٰدمکم و نوح کنوحکم ابراھیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسیٰکم و نبی کنبیکم کے یہ عبارت تحریر کی کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور معتبر ہے اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوقِ الٰہی ہے۔

اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگرچہ ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے مگر اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیین صلعم کے ثابت نہیں اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ وہ خاتم مماثل آنحضرت صلعم کے ہوں اس لئے کہ اولاد آدم جس کا ذکر وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے وہ اسی طبقے کے آدم کی اولاد ہے بالاجماع۔

اور ہمارے حضرت صلعم سب اولاد آدم سے افضل ہیں تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے۔ پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں، آپ کے مماثل کسی طرح نہیں ہو سکتے انتہیٰ۔ اور باوجود اس تحریر کے زید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اس

کے خلاف ثابت ہوگا تو میں اسی کو مان لوں گا میرا اصرار اس تحریر پر نہیں۔ پس علمائے شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کو محتمل ہیں یا نہیں؟ اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہل سنّت والجماعت سے ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے۔ قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اول معنی[1] خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام[2] کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل[3] فہم

---

[1] یعنی آیت کریمہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے اول اسکے معنی سمجھنے چاہئیں۔

[2] یعنی عوام کا خیال تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم فقط اس معنی کر خاتم النبیین ہیں کہ آپ سب سے آخری ہیں یعنی یہ عوام کا خیال ہے جسمیں حضور صلعم کی فضیلت کما حقہ کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ [3] عوام کے اس خیال کے مطابق یعنی محض تقدم و تاخر زمانی سے آنحضرت صلعم کیلئے بالذات کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے حالانکہ منطوق قرآن بیان فضیلت کامل کے لئے ہے۔ لہٰذا خاتم النبیین کے ایسے معنی لینے چاہئیں کہ جس سے پورے طور پر کامل و اکمل فضیلت محمدی صلعم ثابت ہو۔ ۱۲

پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

ہاں اگر اس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلعم کی جانب نقصان قدر کا احتمال۔ کیوں کہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں، اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ فی حدِّ ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ اور جملہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں مواقع تھے بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے

اور فضیلت نبویؐ دوبالا ہوجاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا مثال درکار ہے تو لیجئے زمین وکہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی۔ بایں ہمہ یہ وصف اگر آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا تم کہو وہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا۔ الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہوجاتا ہے چنانچہ خدا کے لئے کسی اور خدا کے نہ ہونے کی وجہ اگر ہے تو یہی ہے یعنی ممکنات کا وجود اور کمالات وجود سب عرضی بمعنی بالعرض ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی موجود کبھی معدوم کبھی صاحب کمال کبھی بے کمال رہتے ہیں اگر یہ امور مذکور ممکنات کے حق میں ذاتی ہوتے تو یہ انفصال و اتصال نہ ہوا کرتا۔ علی الدوام وجود اور کمالات وجود ذات ممکنات کو لازم ملازم رہتے۔ سو اسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمایئے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہوجاتا ہے۔ غرض آپ جیسے نبی الامۃ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ بہ شہادت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ

مِنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ الخ اور انبیاء کرام علیہ وعلیہم السلام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اقتداء اور اتباع کا عہد لیا گیا۔ ادھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے، علاوہ بریں بعد نزول حضرت عیسیٰ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے۔ ادھر رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ عُلِّمْتُ عِلْمَ الاَوَّلِیْنَ وَالاٰخِرِیْنَ بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص وعام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور۔ لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں سو جیسے علوم سمع اور ہے اور علم بصر اور۔ پر باایں ہمہ قوت عاقلہ اور نفس ناطقہ میں یہ سب علوم مجتمع ہیں، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء باقی کو سمجھئے۔ پر ظاہر ہو کہ سمع وبصر اگر مدرک عالم ہیں تو بالعرض ہیں ورنہ مدرک حقیقی اور عالم تحقیقی وہ عقل اور نفس ناطقہ ہی ہے اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گذشتہ ومستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہل فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے کمالات عملی میں سے نہیں۔ الغرض کمالات ذوی العقول کل دو کمالوں میں منحصر ہیں۔ ایک کمال علمی دوسرا کمال عملی اور بنائے مدح کل انہیں دو باتوں پر ہے۔ چنانچہ کلام اللہ میں چار فرقوں کی تعریف کرتے ہیں نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین جن میں سے انبیاء اور صدیقین کا کمال تو کمال علمی ہے۔ اور شہداء اور صالحین کا کمال کمال عملی۔ انبیاء کو تو منبع العلوم

اور فاعل اور صدیقین کو مجمع العلوم اور قابل سمجھئے۔ اور شہداء کو منبع العمل اور فاعل اور صالحین کو مجمع العمل اور قابل خیال فرمایئے۔ دلیل اس دعوے کی یہ ہے کہ انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں اور اگر قوت عملی اور ہمت میں انبیاء امتیوں سے زیادہ بھی ہوں تو یہ معنی ہوئے کہ مقام شہادت اور وصف شہادت بھی ان کو حاصل ہے مگر کوئی ملقب ہوتا ہے تو اپنے اوصاف غالبہ کے ساتھ ملقب ہوتا ہے۔ مرزا جان جاناں صاحبؒ، اور غلام علی صاحبؒ، اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ چاروں صاحب جامع بین الفقر والعلم تھے پر مرزا صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ تو فقیری میں مشہور ہوئے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ علم میں۔ وجہ اس کی یہی ہوئی کہ ان کے علم پر ان کی فقیری غالب تھی اور ان کی فقیری پر ان کا علم اگرچہ ان کے علم سے ان کا علم، یا ان کی فقیری سے ان کی فقیری کم نہ ہو سو انبیاء میں علم عمل سے غالب ہوتا ہے اگرچہ ان کا عمل اور ہمت اور قوت اوروں کے عمل، قوت اور ہمت سے غالب ہو، بہر حال علم میں انبیاء اوروں سے ممتاز ہوتے ہیں اور مصداق نبوت وہ کمال علمی ہی ہے جیسا کہ مصداق صدیقیت بھی وہ کمال علمی ہے۔ چنانچہ لفظ نَبَأٌ اور صِدْقٌ بھی جو ماخذ اوصاف مذکور ہے اس بات پر شاہد ہے نَبَأٌ خود خبر کو کہتے ہیں جو اقسام علوم یا معلوم میں سے ہے۔ اور صدق اوصاف علم میں سے۔ پر نبوت اور صدیقیت میں وہی فرق فاعلیت و قابلیت ہے جو آفتاب و آئینہ میں وقت تقابل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث مرفوع قولی جس کا یہ

مطلب ہے کہ جو میرے سینہ میں خدا نے ڈالا تھا میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال دیا اس پر شاہد ہے مگر جیسے نبی کو نبی اس لئے کہتے ہیں کہ خبر دار یا خبر کرنے والا ہوتا ہے صدیق کو صدیق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی عقل بجز قول صادق قبول نہیں کرتی قول صادق بے دلیل اس طرح قبول کر لیتا ہے جیسے مٹھائی کو معدہ اور قول باطل سے اس طرح گھبراتا ہے اور اس طرح اس کو رد کرتا ہے جیسے مکھی کو معدہ رد کرتا ہے یہ ہی سبب تھا کہ صدیق اکبرؓ کو ایمان لانے میں معجزہ کی ضرورت نہ ہوئی علیٰ ہٰذا القیاس مصداق شہید بہ دلالت حدیث وہ شخص ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ اور ترقی دین کے لئے جان دینے کو تیار ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کسی نے پوچھا کہ بعضے آدمی طمع لالچ میں لڑتے ہیں اور بعضے بوجہ عصبیت یعنی بوجہ قرابت وحمیت قومی اور بعضے بغرض ناموری، ان میں سے شہید کون ہوتا ہے تو آپؐ نے فرمایا مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا غرض شہادت اس صورت میں عوارض ہمت اور قوت عملی میں سے ہوئی اور شہید اول کا درجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوا۔ اور اسی وجہ سے شاید شہید کو شہید کہتے ہیں یعنی بروز قیامت وہ شاہد ہوگا کہ فلاں شخص حکم خدا مان گیا تھا اور فلاں نے نہیں مانا کیوں کہ اس بات کی اطلاع جیسے امر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو ہو سکتی ہے اتنی اوروں کو نہیں ہو سکتی اور اس کی گواہی اس باب میں ایسی سمجھئے جیسے کسی مقدمہ میں ملازمان سرکاری کی گواہی چنانچہ اس امت کے حق میں یہ فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور ادھر یہ ارشاد وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

غور کیجئے تو اسی جانب مشیر ہے غرض شہید سے فیض عمل ہوتا ہے یعنی بھلے عمل اوروں سے کراتا ہے اور بُرے عملوں سے روکتا ہے۔ جو شخص اس سے مستفیض ہو وہ صالح ہے اور ظاہر ہے کہ اہتمام اعمال کے باب میں وہی کرسکتا ہے جو خود اعمال میں پکا ہے۔ سو بوسیلہ امر و نہی ہو یا بوسیلہ صحبت جس شخص کو افاضہ اعمال منظور ہو وہ تو شہید ہے اور جو اس سے مستفیض ہو وہ صالح۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوچکی تو خود معلوم ہوگیا ہوگا کہ جب نبوت کمالات علمی میں سے ہوئی اور دربارۂ علم رسول اللہ صلعم موصوف بالذات ہوئے تو دربارۂ نبوت بھی آپ موصوف بالذات ہونگے اور آیۃ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ الخ جو لفظ مصدّق لما معکم ہے تو اس سے بعد لحاظ اس بات کے کہ یہ خطاب تمام انبیاء کرام علیہ السلام کو ہے اور کلمۂ ما اس جگہ ایسا عام ہے کہ تمام علوم اور کتب کو شامل۔ یہ بات اور بھی موجہ ہوجاتی ہے کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے اور آپ جامع العلوم ہیں اور انبیاء باقی جامع نہیں۔ غرض جو بات حدیث "علمت علم الاولین" سے ثابت ہوئی تھی مع شیئ زائد آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ سو ایک تو یہی بات زائد ہے کہ نبوت کا کمالات علمی میں سے ہونا اس سے ظاہر ہے کیوں کہ رسول کی صفت میں یہ فرمانا کہ مصدق لما معکم جو لاجرم منجملہ کمالات علمی ہے کیونکہ تصدیق علم ہی سے متصور ہے اس جانب مشیر کہ اس رسول کا علم ایسا عام ہوگا پھر بایں ہمہ لفظ رسول ہے بایں نظر کہ زبان عربی میں پیغامبر کو کہتے ہیں اور پیغام منجملہ اوامر و نواہی ہوتا ہے جو بیشک از قسم علوم ہے اس پر دال ہے اور عہد کا لینا جس سے آپ کا نبی الانبیاء ہونا ثابت ہوتا ہے پہلے ہی معروض ہوچکا، علاوہ بریں حدیث کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ

بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ بھی اسی جانب مشیر ہے کیونکہ فرق قدم نبوت اور حدوث نبوت باوجود اتحاد نوعی خوب جب ہی چسپاں ہو سکتا ہے کہ ایک جا یہ وصف ذاتی ہو اور دوسری جا عرضی اور فرق قدم و حدوث اور دوام و عروض فہم ہو تو اس حدیث سے ظاہر ہے ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اگر نبوت کا ایسا قدیم ہونا کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا تو آپ مقام اختصاص میں یوں نہ فرماتے۔ علاوہ بریں حضرات صوفیہ کرام کی یہ تحقیق کہ عربی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تعین اول یعنی صفت علم ہے اور بھی اس کے مؤید۔ ظاہر ہے کہ شاعر کی تربیت سے شعر آویگا اور طبیب کی تربیت سے فن طب۔ محدث کی تربیت دربارۂ حدیث مفید ہوگی۔ فقیہ کی دربارہ فقہ۔ سو جس کی مربی صفت العلم ہو جو علم مطلق ہے مثل ابصار و اسماع علم خاص و قسم خاص نہیں تو لاجرم فرد تربیت یافتہ اعنی ذات پاک محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی علم مطلق میں صاحب کمال ہوگی، اور ظاہر ہے کہ مطلق میں تمام حصص خاصہ جو مقیدات میں ہوتی ہیں مندرج ہوتے ہیں سو یہ بعینہ مضمون علمت علم الاولین الخ ہے اور یہی وجہ ہوئی کہ معجزہ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانہ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے مثل عنایات خاصہ گہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ملا جو تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے تاکہ معلوم آپ اس فن میں یکتا ہیں کیونکہ ہر شخص کا اعجاز اسی فن میں متصور ہے جس فن میں اور اس کے شریک نہ ہوں اور وہ اس میں یکتا ہو مثلاً خوش نویس کے سامنے اگر اور

عاجز ہوتے ہیں تو اچھے خوش قطعہ کے لکھنے ہی میں عاجز ہوتے ہیں اور فنون میں عاجز نہیں سمجھے جاتے۔ بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفت نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض اس صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیاء متاخر کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا حالانکہ خود فرماتے ہیں مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا اور کیوں نہ ہو یوں نہ ہو تو اعطاء دین منجملہ رحمت نہ رہے آثار غضب میں سے ہو جائے ہاں اگر یہ بات متصور ہوتی کہ اعلیٰ درجے کے علماء کے علوم ادنیٰ درجے کے علماء کے علوم سے کمتر اور اَدوَن ہوتے ہیں تو مضائقہ بھی نہ تھا پر سب جانتے ہیں کہ کسی عالم کا عالی مراتب ہونا علوم مراتب علوم پر موقوف ہے یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔ اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیاء متاخر پر وحی آتی اور افاضہ علوم کیا جاتا ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی، سوا اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدۂ محکم اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہئے اور شہادت آیۃ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی اور اگر علوم انبیاء متاخر علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہونا غلط ہو جاتا، بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لئے ایسی ہی کتاب جامع چاہئے تھی تاکہ علو مراتب نبوت جو لاجرم علو مراتب

علمی ہے چنانچہ معروض ہوچکا میسر آئی ورنہ یہ علو مراتب نبوت بیشک ایک قول دروغ اور حکایت غلط ہوتی ایسے ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے چنانچہ اضافت الی النبیین بایں اعتبار کہ نبوت منجملہ اقسام مراتب ہے یہی ہے کہ اس مفہوم کا مضاف الیہ وصف نبوت ہے زمانہ نبوت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ درصورت ارادہ تاخر زمانی مضاف الیہ حقیقی زمانہ ہوگا۔ اور امر زمانی اعنی نبوت بالعرض ہاں اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبے سے عام لے لیجئے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا پر ایک مراد تو شایان شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی، اور مجھ سے پوچھئے تو میرے خیال ناقص میں تو وہ بات ہے کہ سامع منصف انشاء اللہ انکار ہی نہ کرسکے سو وہ یہ ہے کہ تقدم تاخر یا زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی یہ تین نوعیں ہیں۔ باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے حق میں جنس۔ اور ظاہر ہے کہ مثل چشم و چشمہ و ذات وغیرہ معانی لفظ عین ان تینوں میں یوں بعید نہیں جو مثل لفظ عین تقدم و تاخر اختتام کو جو تاخیر کے آثار میں سے ہے۔ بہ نسبت انواع مذکورہ مشترک کہئے جنس نہ کہئے۔ مگر ان میں سے اول و آخر زمانی و رتبی تو مشخص ہوتا ہے یعنی اول آخر اور آخر اول نہیں ہوسکتا۔ البتہ تقدم و تاخر زمانی کے لئے کسی مصحح کی ضرورت پڑتی ہے جس سے اول و آخر معلوم ہوجائے جیسے صفوف مسجد کے لئے قبلہ اور دیوار قبلہ، ورنہ یہاں دوسری طرح سے لیجئے تو قضیہ منعکس ہوجائے گا، جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب سنئے ذوات انبیاء علیہم السلام تو بذات خود اس قابل ہی نہیں کہ ان

میں تقدم و تاخر کی گنجائش ملے۔ ہاں بواسطہ زمان و مکان و مراتب
البتہ متقدم و مؤخر کہہ سکتے ہیں بہرحال حذف مضاف کی ضرورت
ہوگی۔ سو لفظ زمان کی جا پر اگر موصوف و تاخر بھی کوئی مفہوم عام
تجویز کیا جائے تو بہتر ہے بلکہ ضرور ہے کیونکہ حذف بے قرینہ دالہ
علی المحذوف الخاص دلالت تعمیم میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ للہ
الامر من قبل و من بعد اور اللہ اکبر میں کل شئی یا من کل شئی محذوف
کہا جاتا ہے بہرحال مؤنث دونوں صورت میں برابر لفظ زمان ہو
یا کوئی مفہوم عام پر تخصیص زمان نہیں کیا ہے۔ اس صورت میں ہر نوع
میں مفہوم خاتمیت جدا طرح ظہور کرے گا۔ جیسے آیۃ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ
الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ میں
مفہوم رجس جنس عام ہے کہ اس کے لئے خمر جدا نوع ہے اور میسر
وغیرہ جدا۔ وہاں رجس نے اور طرح ظہور کیا یہاں اور طرح، یعنی خمر
میں نجاست ظاہری بھی ظاہر ہوئی انواع باقیہ میں فقط نجاست
باطنی ہی رہی۔ سو جیسی علت اختلاف ظہور مذکور یہ ہوئی کہ یہاں فعل
شرب شراب کے باعث ممنوع ہوا اس لئے پانی وغیرہ کا پینا ممنوع
نہیں، تو یہاں تو رجس صفت اصلی جسم شراب کی ہوگی۔ اور میسر وغیرہ
میں اشیاء معلومہ اعمال کے باعث بری ہوئیں۔ کیونکہ اشیاء معلومہ
آلات افعال معلومہ ہیں۔ اس لئے رجس صفت اصلی افعال کی ہوگی
سو ان کی ناپاکی وہی نجاست باطنی۔ مگر جیسے افعال اور شراب میں فرق
ہے اور پھر وصف رجس میں متحد ایسے ہی یہاں قصہ ہے۔ بلکہ یہاں
تینوں نوعوں کا موصوف بتقدم و تاخر ہونا ایسا ظاہر ہے جیسے شراب

کا موصوف برحبس ہونا مثل اتصاف افعال برجبس خفایا احتمال تجوز نہیں ہوئے سو اگر یہاں خاتم مثل رحبس جنس عام رکھا جائے تو بدرجہ اولی قابل قبول ہے اس میں خاتمیت زمانی اور مرتبی کو تو ضرورت تعین مبدأ بتقدم نہیں، ہاں مکانی میں ہے سو بقیاس تاخر و مرتبی یہاں بھی نیچے سے شروع سمجھا جائیگا اور زمین علیا اختتام ہوگا سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرورت ثابت ہے ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی او کما قال جو بہ ظاہر بہ طرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اسباب میں کافی ہے کیوں کہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا اب دیکھئے کہ اس صورت میں عطف بین الجملتین اور استدراک اور استثناء مذکور بھی بغایت درجہ چسپاں نظر آتا ہے، اور خاتمیت بھی بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی اور نیز اس صورت میں جیسے قرأت خاتم بکسر التاء چسپاں ہیں ایسے ہی قرأت خاتم بفتح التاء بھی نہایت درجے کو بے تکلف موزوں ہو جاتی ہے کیوں کہ جیسے خاتم بفتح التاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر

موصوف بالعرض میں ہوتا ہے حاصل مطلب آیۃ کریمہ اس صورت میں
یہ ہوگا کہ ابوت معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت
حاصل نہیں پر ابوۃِ معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء
کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے کیوں کہ اوصاف معروض و موصوف
بالعرض بالذات کے فرع ہوتے ہیں موصوف بالذات اوصاف عرضیہ
کی اصل ہوتا ہے، اور وہ اس کی نسل اور ظاہر ہے کہ والد کو والد اور
اولاد کو اولاد اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ یہ اس سے پیدا ہوتے ہیں وہ فاعل
ہوتا ہے، چنانچہ والد کا اسم فاعل ہونا اس پر شاہد ہے اور یہ مفعول ہوتے
ہیں، چنانچہ اولاد کو مولود کہنا اس کی دلیل ہے، سو جب ذات بابرکات
محمدی صلعم موصوف بالذات بالنبوۃ ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض
تو یہ بات اب ثابت ہوگئی کہ آپؐ والد معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپ کے
حق میں بمنزلۂ اولاد معنوی، اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول صلعم میں
غور کیجئے تو یہ بات واضح ہے، پر آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ
لانے کی ضرورت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صغرائے بنائے
اور اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ کو کبریٰ، دیکھئے یہ نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں
صورت اس کی یہ ہے کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کو
بعد لحاظ صلہ من انفسہم کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی
جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیوں کہ اولیٰ بمعنی اقرب ہوا
اور اگر بمعنی احب یا اولیٰ، بالتصرف ہو جب بھی یہی بات لازم آئیگی
کیوں کہ احبیت اور اولویت بالتصرف کے لئے اقربیت تو وجہ ہو سکتی

ہے پر بالعکس نہیں ہوسکتا، دلیل سنئے کہ ایسی اقربیت جواپنی حقیقت سے بھی زیادہ ہو بجز موصوف بالذات کے کہ موصوف بالعرض یا وصف عارض کی نسبت ہوتا ہے اور کسی کو کسی کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ ربط افاضہ اگر بین الشیئین نہیں، تب تو باعتبار اصل حقیقت استثناء اور تباین ہوگا اگرچہ دونوں ایک موصوف میں اتفاقاً مجتمع ہوں اتنا قرب کجا اور اگر ربط اضافہ بین الشیئین ہے یعنی ایک موصوف بالذات اور دوسرا موصوف بالعرض ہے تو لاجرم موصوف بالعرض کے ساتھ بحیثیت وصف عارض اور خود وصف عارض محتاج موصوف بالذات ہوتے ہیں، سو وصف عارض کو جو کچھ تشخص حاصل ہوتا ہے بعد تحقیق حاصل ہوتا ہے۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس ادراک تشخص بھی بعد ادراک اصل وجود ہوتا ہے، چنانچہ دور سے کسی کو دیکھئے تو ایک موجود مبہم ہوتا ہے جس کا انطباق ہزاروں احتمالوں پر متصور ہے، پر جوں جوں قریب آتا جاتا ہے وہ ابہام مرتفع ہوتا جاتا ہے اور تمیز جو ادراک تشخصات پر موقوف ہے حاصل ہوتی جاتی ہے، سو جب حالت بعد میں یہ حال ہے تو حالت قرب میں اس امر کو اور بھی وضاحت ہوجائے گی جس کی وجہ سے تقدم علیٰ ادراک التشخصات ضرورتر ہے علاوہ بریں معلوم ہونا خود ایک وصف وجودی ہے، اور معلومات کا معلوم ہونا ضروری جس کے معنی قطع نظر تقلید سے کرکے انصاف سے دیکھئے تو یہ معلوم ہوتے ہیں کہ افاقہ وجود ذہنی عالم کی طرف سے اس پر ہوتا ہے اور وہ نور علم جو ذات عالم کے ساتھ ایسی طرح قائم ہے جیسے آفتاب کا نور آفتاب کے ساتھ اس کو ایسی طرح محیط ہو جاتا ہے جیسے نور مذکور

اشیاء مستنیرہ کو، اور ظاہر ہے کہ عالم کو اگر ادراک معلومات کا ہوگا تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے فرض کرو آفتاب کو انوار خاصہ در و دیوار کا علم، جن کو دھوپ کہتے ہیں سو اس میں سے نور مطلق جیسے صفت آفتاب ہے اور تثلیث اور تربیع وغیرہ تقطیعات دھوپ جو صحن خانوں وغیرہ کی طرف سے لاحق ہوتے ہیں اصل میں صفت صحن خانہا وغیرہ اور اس وجہ سے درصورت علم مفروض جو آفتاب کو حاصل ہوگا، علم نور مطلق بایں وجہ کہ اپنی صفت سے علم تقطیعات سے جو اوروں کی صفت ہے مقدم ہوگا، ایسے نور علم مذکور صفت عالم ہے اور تشخصات معلومات صفات معلومات، اور اس وجہ سے علم صفت خود جو عین علم ہے علم تشخصات سے مقدم ہوگا، اور ظاہر ہے کہ نور آپ بذات خود منور ہے اور یہ تشخصات اور تعینات جو حقیقت میں حقیقت معلوم ہیں کیوں کہ مسمیٰ زید و عمرو وغیرہ یہ خصوصیات خاصہ ہیں جن کی وجہ سے باہم تباین ہے نہ وہ امر مشترک جس کو حقیقت انسانی کہئے منور بالعرض، سو اس حرکت علم میں جب نور مطلق اول آیا اور حقیقت مذکورہ دوسری بار، تو درصورتیکہ مقصود بالعلم وہ حقائق ہی ہوں اور طالب علم خود صاحب حقیقت تو یوں کہنا پڑے گا کہ موصوف بالذات اس موصوف بالعرض سے اس کی حقیقت کی نسبت بھی زیادہ قریب ہے، کیوں کہ قریب و بعید کی دریافت کے لئے کمی بیشی د فاصلہ ضرور ہے اور فاصلے کے کم ہونے کی یہ علامت ہے کہ ادھر کو حرکت کیجئے تو زیادہ فاصلے کی چیز سے پہلے آئے، سو دیکھ لیجئے حرکت فکری میں اول دلیل آتی ہے اور پھر مدلول، اس لئے استدلال لمی میں بایں وجہ کہ دلیل جو حقیقت میں علت ہوتی ہے

اول علت آئے گی، اور مطلوب بعد میں اس صورت میں دلیل اِنی علت کو مطلوب سے بہ نسبت مطلوب کے بھی زیادہ قریب ہوگا، مگر یہ قرب بہ نسبت معلول کے سوائے علت اور کسی کو نصیب نہیں کیوں کہ اصل میں انفصال ہے گو اتصال ہو تو جہاں یہ قرب ہوگا یہی علیت معلولیت ہوگی اور وقت استدلال اگر خود معلول ہے اپنے ادراک کی طرف متوجہ ہو اور مستدلل باستدلال لمی ہو تو یہ بات صاف روشن ہوجائے گی کہ طالب کی ذات سے اس کی علت قریب ہے، سو اگر مؤمنین کو اپنی حقیقت کا ادراک مطلوب ہوگا تو بے شک اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حرکت فکری میں آئیں گے پھر ان کی حقیقت، باقی رہی دلیل اِنی وہ حقیقت میں دلیل ہی نہیں ہوتی بلکہ استدلال انی کے لئے ضرور ہے کہ اول استدلال لمی ہولے اگر آفتاب کو علت نور نہ سمجھیں تو پھر نور سے وجود آفتاب پر استدلال ممکن نہیں اور یہ سمجھنا کہ یہ علت ہے اور وہ معلول یہی استدلال لمی ہے، استدلال لمی میں سوائے اس کے اور کیا ہوتا ہے۔ الغرض وجود ذہنی معلول یہی علت کے وجود ذہنی پر ایسی طرح موقوف ہے جیسے اس کا وجود اس کے وجود خارجی پر باقی استدلال انی میں علم تازہ نہیں ہوتا علم سابق کا استحضار ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ علت اپنے معلول میں بہ نسبت اس کی حقیقت کے جو تعینات اور تشخصات ہیں اور منجملہ لواحق اور توابع اور محتاج فی التحقیق اولیٰ بالتصرف ہے، علٰے ہذا القیاس معلول کو اگر قابل محبت ہے جو محبت اپنی علت سے ہوگی جو اس کی اصل ہے اور اسی کا پَرتو اس میں ہے چنانچہ مثال نور آفتاب سے ظاہر ہے وہ محبت

تعینات سے کا ہے کو ہوگی۔ جو لواحق ہیں اور باہم اتفاقی ملاقات ہوگئی ہے اس صورت میں علت کو بہ نسبت اس کے معلول کے اگر احب الیہ من نفسہا کہا جائے تو بجا ہے، غرض اولیٰ بمعنی اقرب ان دونوں معنوں کو مستلزم ہے، اور یہ دونوں اس کے منافی نہیں بلکہ اس کے تحقیق پر ایسی طرح دال ہیں جیسے نورِ آفتاب طلوعِ آفتاب پر دلالت کرتا ہے سو جیسے طلوع آفتاب وجود نور پر مقدم ہے ایسے ہی تحقق اولویت بمعنی اقربیت تحقق اولویت بالتصرف اور اولویت بمعنی احببیت پر مقدم ہوگی، غرض اقربیت مذکورہ کا مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و امت مرحومہ ہونا بایں طور کہ آپ اقرب الامۃ المرحومۃ من انفسہم ہوں ضرور ہے، اور یہ بجز اس کے متصور نہیں کہ آپ علت ہوں اور امت مرحومہ یعنی مؤمنین معلول، اور ظاہر ہے کہ معلول میں جو کچھ ہوتا ہے فیض علت اور عطاء علت ہوتا ہے، اسی لئے اس کے لئے صیغہ مفعول تجویز کیا گیا، اس صورت میں علت میں ضرور ہے کہ وہ فیض ذاتی ہو ورنہ وہاں بھی عرضی ہو تو کوئی اور ہی مفیض حقیقی ہوگا کیوں کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وصف عرضی خود بخود ہو جائے کوئی موصوف بالذات ضرور ہے سو وہی ہمارے نزدیک علت اصلی ہے، الغرض لفظ رسول اللہ (صلعم) جو مترادف نبی اللہ (صلعم) یا متضمن معنی نبی اللہ کو ہے، جب صغریٰ بنایئے تو بوجہ اجتماع شرائط ضروریہ جو شکل اول میں ہونی چاہئیں یہ نتیجہ نکلے گا کہ محمد اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم، اور یہ بات اس بات کو مستلزم ہے کہ وصف ایمانی آپ میں بالذات ہو اور مؤمنین میں بالعرض آپ اس امر میں مؤمنین کے حق میں والد معنوی ہیں، یعنی اوروں کا

ایمان آپ کے ایمان سے پیدا ہوا ہے آپ کا ایمان اوروں کے ایمان کی اصل ہے، اوروں کا ایمان آپ کے ایمان کی نسل ۔ اس تقریر پر وجہ عطف مذکور اور استدراک مسطور خوب واضح ہوگئی۔ اس لئے اس مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں، اگرچہ خوبی مزید توضیح اس بات کو مقتضی تھی کہ مثل علم ایمان کا ایک وصف فطری ہوتا، اور یہ بات کہ ایمان کمالات علمی میں سے ہے پر علم پر موقوف، اور نبوت کمالات علمی میں سے ہے پر عمل کو مستلزم اور نیز یہ امر کہ انبیاء کس بات میں آپ کے ساتھ علاقہ مولودیہ رکھتے ہیں اور امت کس بات میں اور پھر کیوں لفظ مشیر تولد مؤمنین کو لفظ مشیر تولد انبیاء سے مقدم رکھا۔ یہ باتیں بیان کرتا اور حسب فہم موجہ کرجاتا پر باندیشہ تطویل قدر ضرورت پر اکتفاء کر کے عرض پرداز ہوں کہ اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور، اور اگر اسی طرح اگر فرض[۱] کیجئے آپ کے زمانے

---

[۱] یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدیہ میں فرق نہ آئیگا کیونکہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم فقط اس معنی کر نہیں کہ آپ سب سے پچھلے زمانہ کے نبی ہیں (جیساکہ عوام کا خیال ہے) بلکہ جیسے آپ خاتم زمانی ہیں ویسے ہی آپ خاتم ذاتی اور خاتم رتبی نبی تھے، یعنی جس قدر کمالات اور مراتب نبوت ہیں وہ سب آپ کی ذات ستودہ صفات پر ختم ہیں، زمانۂ نبوت بھی آپ پر ختم ہے، مکان نبوت بھی آپ پر ختم، اور مراتب نبوت بھی آپ پر ختم ہیں۔ ۱۲

میں بھی اس زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا، اور اس کا سلسلۂ نبوت بہر طور آپ پر مختتم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے، جب علم ممکن للبشر ہے ختم ہولیا تو پھر سلسلۂ علم و عمل کیا چلے غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے، مگر جیسے اطلاق خاتم النبیین اس بات کو مقتضی ہے کہ اس لفظ میں کچھ تاویل نہ کیجئے اور علی العموم تمام انبیاء کا خاتم کہیئے، اسی طرح اطلاق لفظ مثلھن جو آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ میں واقع ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ سوائے تبائن ذاتی ارض و سماء جو لفظ سمٰوات اور لفظ ارض سے مفہوم ہے اور ان دونوں لفظوں کا ذکر کرنا اس باب میں بمنزلۂ استثناء ہے اور نیز علاوہ اس تبائن کے جو بوجہ اختلاف لوازم ذاتی یا اختلاف مناسبات ذاتی خواہ منجملہ لوازم وجود ہوں یا مفارق بین السماء والارض متصور ہے اور بالالتزام مستثنیٰ ہے پر جمیع الوجوہ بین السماء والارض مماثلت ہونی چاہئے سو اس میں سے مماثلت فی العدد اور مماثلت فی البعد اور فوق و تحت ہونے میں مماثلت تو اسی حدیث مرفوع سے معلوم ہوتی ہے جس سے تحقق سبع ارضین معلوم ہوا ہے، اور صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ امام ترمذیؒ اور امام احمدؒ باب بدء الخلق میں اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی میں کتاب التفسیر میں سورۂ حدید کی تفسیر میں روایت کیا ہے

وہ حدیث یہ ہے: وان ابی ھریرۃ قال بینما نبی اللہ صلعم
جالس واصحابہ اذ اتی علیھم سحاب فقال نبی اللہ صلعم
ھل تدرون ما ھٰذا قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال ھٰذہ
العنان ھٰذہ روایا الارض لیسوقھا اللہ الیٰ قوم لایشکرونہ
ولایدعونہ ثم قال ھل تدرون ما فوقکم قالوا اللہ و
رسولہ اعلم قال فانہا الرفیع سقف محفوظ و موجٌ مکفوف
ثم قال ھل تدرون ما بینکم و بینہا قالوا اللہ و رسولہ
اعلم قال بینکم وبینہا خمسمائۃ عام ثم قال ھل تدرون
ما فوق ذٰلک قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال سماءً ان بعد
ما بینہما خمس مائۃ سنۃ ثم قال کذٰلک حتیٰ عدّ
سبع سمٰوات و ما بین کل سمائین ما بین السماء والارض
ثم قال ھل تدرون ما فوق ذٰلک قالوا اللہ و رسولہ
اعلم قال ان فوق ذٰلک العرش وبینہ وبین السماء بُعد
ما بین السمائین، ثم قال ھل تدرون ما الذی تحتکم
قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال انہا الارض ثم قال ھل
تدرون ما تحت ذٰلک قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال ان
تحتہا ارضا اخریٰ بینہا مسیرۃ خمس مائۃ سنۃ حتیٰ
عد سبع ارضین بین کل ارضین مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ
ثم قال والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم بحبل
الی الارض السفلیٰ لھبط علی اللہ ثم قرأ "ھو الاول و
الاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیٔ علیم" رواہ احمد والترمذی انتہیٰ

اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ یہ زمین سب میں اوپر ہے سات زمینوں کا ہونا اور وہ بھی نیچے اوپر ہونا اور ہر ایک زمین سے دوسری زمین تک ساتوں زمینوں میں پانچ پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہونا بتصریح ثابت ہے، غرض یہ تین مماثلتیں تو اسی حدیث سے بتصریح معلوم ہوگئیں جس کے معلوم ہونے سے یہ خیال کہ بعد منہائی تباین مذکورہ کے اور سب باتوں میں بشہادت اطلاق وعموم کلام ربانی مماثلت مراد ہے اور بھی قوی ہوگیا اور کیوں نہ ہو اول تو مثلہن بھی اسی کلام اللہ میں ہے جس میں لفظ خاتم النبیین جس کی اطلاق اور نبیین کی عموم کے باعث کسی نے آج تک ائمہ دین میں سے اس میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کا کرنا جائز نہ سمجھا، تورات وانجیل یا کسی پنڈت کی پوتھی میں نہیں جو احتمال تحریف وافتراء ہو، پھر تس پر حدیث مذکور اس قدر مصدق خیال مذکور علاوہ بریں مقابل کعبہ ارض آسمان میں بیت معمور کا ہونا اور پھر بایں نظر کہ مقابل کعبہ اوپر کہیں تک جاؤ، اور نیچے تحت الثریٰ تک کعبہ ہی ہے، خیال مماثلت کو اور دوچند مستحکم کئے دیتا ہے، بایں ہمہ اطلاق مماثلت میں مزید رفعت مراتب نبوی صلعم ہے، یہاں تک کہ اگر اطلاق مذکور کو تسلیم نہ کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت کے سات حصوں میں سے کل ایک ہی باقی رہ جائے اور چھ حصے عظمت کم ہو جائے، چنانچہ انشاء اللہ قریب ہی یہ معمہ حل ہوا چاہتا ہے، خیر اصل مطلب یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ سات آسمان ہیں اور وہ بھی اوپر نیچے کیف ما اتفق دائیں بائیں آگے پیچھے واقع نہیں، اور پھر

ان میں پانچ پانچ سو برس کا فاصلہ نکلا اور اسی طرح زمینوں کا حال ہوا تو یہ بھی یقینی سمجھنا چاہئے کہ جیسے ساتوں آسمانوں میں آبادی ہے اور پھر اوپر کے آسمان والے نیچے کے آسمان والوں پر حاکم، ایسے ہی ساتوں زمینیں بھی آباد ہوں گی اور اوپر کی زمین والے نیچے کی زمین والوں پر حاکم ہوں گے، دلیل حکومت اہل سمٰوات فوقانی اول تو یہ حدیث ترمذی کی ہے: قال الترمذی فی ابواب التفسیر سورۃ سبا ثنا نصر بن علی الجہضمی ثنا معمر عن الزہری عن علی بن حسین عن ابن عباسؓ قال بینما رسول اللہ صلعم جالس فی نفر من اصحابہ اذ رمی بنجم فاستنار فقال رسول اللہ صلعم ماکنتم تقولون لمثل ھٰذا فی الجاھلیۃ اذ رأیتموہ قالوا کنا نقول یموت عظیم او یولد عظیم فقال رسول اللہ صلعم فانہ لا یرمی بہ لموت احد ولا لحیوٰۃ ولکن ربنا تبارک اسمہ وتعالیٰ اذا اقضیٰ امرا سبح حملۃ العرش ثم سبح اھل السماء الذین یلونھم ثم الذین یلونھم حتیٰ یبلغ التسبیح الیٰ ھٰذہ السماء ثم سأل اھل السماء السادسۃ اھل السماء السابعۃ ماذا قال ربکم قال فیخبرونھم ثم یستخبر اھل کل سماء حتی یبلغ الخبر اھل السماء الدنیا و تختطف الشیاطین السمع فیرمون فیقذفون الیٰ اولیائھم فما جاؤا بہ علیٰ وجہہ فھو حق ولکنھم یحرفونہ ویزیدون. ھذا حدیث حسن صحیح۔ اس مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ حکم خداوندی ملائکہ کی نسبت جو کچھ ہوتا ہے وہ اس ترتیب سے

نیچے پہونچتا ہے، سو یہ بات بعینہ ایسی ہے جیسے حکم بادشاہی جو کچھ ملازمان ماتحت کی نسبت ہوتا ہے ان سے اوپر کے ملازموں کے واسطے سے ان تک پہنچتا ہے، چنانچہ سب کو معلوم ہے اور نیز مقتضائے حدیث دیگر بھی یہی ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے تفسیر عزیزی سورۂ بقر میں بذیل تفسیر آیۃ ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ روایت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں وابن المنذر از ابن عباسؓ روایت کردہ است کہ سَیِّدُ السَّمٰوٰتِ السَّمَآءُ الَّتِیْ فِیْهِ الْعَرْشُ وَسَیِّدُ الْاَرَضِیْنَ الَّتِیْ اَنْتُمْ عَلَیْهَا اس حدیث سے ایک تو مماثلۃ زائدہ معلوم ہوئی یعنی جیسے وہاں اوپر کا آسمان افضل ہے کیوں کہ عرش اس میں ہے یعنی اس سے متصل ہے یہاں اوپر کی زمین یعنی یہ زمین افضل ہے، دوسرے بدلالت التزامی یہ ثابت ہوا کہ اوپر کے آسمان والے نیچے والوں پر حاکم ہوں کیوں کہ افضلیت سمٰوات ظاہر ہے کہ باعتبار افضلیت سکان ہے سو نوع واحد میں افضلیت اس بات کو مقتضی ہے کہ فرد افضل واکمل موصوف بالذات ہو کیوں کہ موصوف بالذات کی طرف سے تو نوع واحد میں تفاوت افراد ممکن نہیں اس لئے کہ وہ ایک ہوتا ہے اور جہاں دو نظر آتے ہیں بایں نظر کہ نوع واحد میں تعدد ترکیب کو مقتضی ہے تاکہ اتحاد امر مشترک کی طرف راجع ہو اور تبائن امور متبائنہ کی طرف، پھر انجام کار وحدت لازم آجاتی ہے اس صورت میں لاجرم یہ اختلاف و تفاوت معروض اور قابل کی طرف سے ہوگا کیوں کہ حوادث میں جتنے اختلاف ہیں وہ انہیں دو کی طرف یا ان کی

متممات کی طرف جیسے آلات و شرائط میں منسوب ہوتی ہیں بوجہ تنگی مقام زیادہ شرح سے معذور ہوں بایں ہمہ اہل فہم کے واسطے یہ مضامین معروض ہوئے ہیں، ان کو اتنا بھی کافی ہے الغرض یہ اختلاف و تفاوت معروضات کی جانب ہوگا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکمل وہ واسطہ فی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے، اگرچہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو جیسے آئینہ وقت نور افشانی در و دیوار اگر در و دیوار کی نسبت واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے، سو ایسے ہی امور مبحوث عنہا میں سمجھئے، دوسرے بحکم عدل افضلیت بالضرور اس بات کو مقتضی ہے کہ جو افضل ہو وہ باقیوں پر حاکم ہو علاوہ بریں حسن انتظام خداوندی جو ہر نوع میں نمایاں ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ جیسے افراد کا سلسلہ نوع پر اور انواع کا سلسلہ جنس پر ختم ہوتا ہے اور اس وجہ سے جنس کے احکام و آثار انواع میں اور انواع کے احکام و آثار افراد میں جاری و ساری ہیں یہ استقلال جو ہر ذوی العقول میں گونہ نمایاں ہے اور اس وجہ سے وہ انتظام جو ان کے متحد ہوجانے اور ان کے اجتماع پر موقوف ہے باطل ہوجاتا ہے کسی ایک آدمی کے متعلق کرکے اس کو مستقل اعظم قرار دیا جاوے، جس کے سامنے یہ استقلال فرادی فرادی والے محتاج نظر آئیں سو اسی کا نام حکومت ہے، بلکہ وجہ تکثر افراد کی غور سے کی جائے تو وہ عروض ہے کیوں کہ اگر کلی کو معروضات کے ساتھ عروض نہ ہو تو یہ تعداد افراد ہرگز ظاہر نہ ہو اور اس صورت میں مناسب

یوں ہے کہ موصوف بالذات معروض پر بشرطیکہ قابلیت حکومت و محکومیت رکھتے ہوں حاکم ہوں تاکہ متبوعیت باطنی درصورت متبوعیت ظاہری منجملہ وضع الشیٔ فی محلہ سمجھی جائے، پھر یہ فوقیت و تحتیت باوجود اتحاد نوعی بحکم عدل وحکمت اس بات کو مقتضی ہے کہ جیسے فرد تنزل نوعی اور نوع تنزل جنسی ہوتا ہے اسی طرح ارواح ملائکہ سافل تنزل ارواح ملائکہ عالی ہوں تو بہت مناسب ہے تاکہ یہ تکثر اور فوقیت و تحتیت دونوں صحیح ہوں اس لئے کہ تنزل مرتبہ بھی مثل تکثر بجز عروض ممکن نہیں، چنانچہ افراد کی تنزل نوعی ہونے سے اور انواع کے تنزل جنسی ہونے سے یہ بات ظاہر ہے کہ تنزل و تکثر متلازم ہیں اور عروض پر موقوف اور عروض کا قصہ آپ سُن ہی چکے ہیں کہ موصوف بالذات بالعرض پر جیسے باعتبار ظہور و نفوذ احکام بمعنی آثار حاکم ہوتا ہے، ایسے ہی باعتبار حکومت بھی حاکم ہونا چاہیئے، اس صورت میں کیفیت حال یہ ہوگی کہ ارواح سافلہ جو مرتبہ تکثر میں پیدا ہوئی ہیں اور درجہ میں بھی نیچے ہیں ارواح صغیرہ و حقیرہ ہوں اور ارواح عالیہ جو درجہ میں عالی اور وحدت مبتدا، کی جانب ہیں ارواح عظیمہ و کبیرہ ہوں، غرض جب مجموعۂ حصص کو لیجیئے تو ایک روح اعظم مثل رب النوع ہو، اور جدا جدا حصے کرلیجیۓ تو روح صغیرہ پیدا ہو، سو جب مرتبۂ صغیر میں روحانیت ہے، چنانچہ افراد کے ملاحظہ سے ظاہر ہے تو مرتبہ عظمت میں روحانیت کیوں نہ ہوگی کیوں کہ وصف ذاتی حالت اجتماع حصص میں تو اور بھی زیادہ قوی ہوتا ہے، سو یہ اجتماع حصص اگر ہوتا ہے تو

موصوف بالذات معروض نہیں ہوتا کسی صحن میں پورا نور نہیں البتہ
آفتاب میں سب حصے فراہم ہیں اس لئے مراتب فوقانی میں ارواح عظیمہ
ہوں گی اور مراتب تحتانی میں ارواح صغیرہ، اور اس وجہ سے فوق و
تحت خارجی و ظاہری بھی ملحوظ رہنا چاہیئے تاکہ ظاہر و باطن متناسب
رہیں، بالجملہ وحدت نوعی و تکثر افرادی، اور پھر فرق فوق و تحت
باعتبار قانون عدل و حکمت اگر درست ہو سکتا ہے تو یوں ہو سکتا ہے
جس طرح سے عرض کیا کہ ارواح عالیہ ارواح سافلہ کے لئے موصوف
بالذات ہوں اور افضل ترین ملائکہ فلک ہفتم کوئی ایک ملک ہو
جس کی روح منبع ارواح ملائکہ باقیہ فلک ہفتم بھی ہو اور منبع
روح فرد افضل ترین ملائکہ فلک ہشتم بھی ہوکر پھر اس کی روح
منبع ارواح باقیہ فلک ششم اور فرد اکمل ملائکہ فلک پنجم علیٰ ھٰذا
القیاس، اور فرد اکمل ملائکہ فلک ہفتم کا ملائکہ باقیہ فلک ہفتم کے
لئے بھی منبع ہونا اور فرد اکمل ملائکہ فلک ششم کے لئے بھی منبع ہونا اور
پھر ان کا اوپر ہونا اور فقط تابع ہونا اور اس کا نیچے ہونا اور متبوع
و منبع ملائکہ باقیہ فلک ششم بھی ہونا ایسا ہو جیسے آفتاب کا بہ نسبت
آئینہ واقع فی الصحن اور بہ نسبت دھوپ سقف منبع ہونا ظاہر ہے
کہ دھوپ اوپر ہے مگر چونکہ منبع النور نہیں فقط تابع ہی ہے متبوع
نہیں اور آئینہ منور بایں نظر کہ در و دیوار کے حق میں منبع نور بھی
ہو گیا ہے تو ان کے حق میں متبوع بھی ہے مگر یہ ہی صورت اس
وقت باہم زمینوں کی بھی ہوگی کہ ساتوں کی ساتوں آباد بھی ہونگی اور
اوپر کی زمین کی فرد اکمل یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح

پاک جیسے ارواح انبیاء و مؤمنین کے لئے منبع ہوگی ایسے ہی فرد اکمل زمین ثانی کے لئے بھی منبع ہوگی اور اس کی روح پاک باقی اس زمین کے سکان کے لئے بھی منبع ہوگی اور فرد اکمل زمین سوم کے لئے بھی منبع ہوگی علیٰ ہٰذا القیاس نیچے کی زمین تک خیال کرلو، اور اس تقریر سے یہ وہم بھی مرتفع ہوگیا کہ یہاں کا ہر ہر فرد حاکم و متبوع ہو، اور آراضی ماتحت کے افراد مقابلہ و متناظرہ اپنے نظائر کے تابع بلکہ فقط فرد اکمل کا متبوع ہونا اور ارض سافل کے فرد اکمل کا اس کی نسبت اول تابع ہونا اور اس کے سبب افراد باقیہ کا تابع ہونا سمجھا جاتا ہے، مثال مطلوب ہے تو اول آفتاب اور آئینہ کے حال پر غور کیجئے اوپر کی دھوپیں ان دھوپوں کی اصل نہیں جو آئینۂ صحن سے پیدا ہوئے ہیں، دوسری دیکھئے لاٹ تو لفٹیننٹ پر مثلاً حاکم پر اس کی اردلی کے لوگ اس کی اردلی کے حاکم نہیں البتہ لاٹ بواسطہ لفٹیننٹ ان پر بھی حاکم ہے جیسے آفتاب بواسطہ آئینہ نیچے کی دھوپوں کا بھی مخدوم تھا اس تقدیر پر نیچے کی زمین سے سلسلۂ نبوت شروع ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر وہ سلسلہ ختم ہوگا جیسے یہاں کی نبوت کا سلسلہ بھی آپ ہی پر اختتام پاتا ہے، اتنا فرق ہے کہ یہاں انبیاءؑ باقیہ میں باہم نسبت حکومت و محکومی محض باشارۂ عقلی نہیں نکال سکتے، اور نیچے کی زمین سے جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس میں باشارۂ عقلی ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے زمین والے تیسری زمین والوں پر حاکم ہیں اور تیسری زمین والے چوتھی زمین والوں پر، علیٰ ہٰذا القیاس سو اس فرق کی تصحیح اگر مثال سے منظور ہے تو سنئے کہ ہم بادشاہ کو لاٹ پر

اور لاٹ کو لفٹیننٹ پر حاکم تو فقط اتنی ہی بات کے بھروسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو ان مراتب کا باہم فوق و تحت ہونا معلوم ہے پر لاٹ یا لفٹیننٹ کے محکمہ اور عملہ میں یہ حکم برابر جاری نہیں کر سکتے غرض ایک سلسلۂ نبوت تو فوق و تحت میں واقع ہے اور باعتبار فرق مراتب مکانی اس کے فرق مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور ایک سلسلۂ نبوت ماضی و مستقبل میں واقع ہے اور باعتبار فرق مراتب زمانی اس کے فرق مراتب کی طرف اطلاع کی گئی، شرح اس کی یہ ہے کہ اہل فہم پر روشن ہے کہ زمانہ ایک حرکت ارادۂ خداوندی ہے اور یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیہ کرام علیہ الرحمۃ تجدّد امثال کے قائل ہوئے کیوں کہ حرکت میں مقولہ حرکت کا ایک فرد ہر آن میں جدا متحرک کو عارض ہوتا ہے "ولعاقل تکفیہ الاشارۃ" اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ مقدار حرکت ہے کیوں کہ مقدار ہونے کے لئے تماثل اور تجانس ضرور ہے خط کے لئے مقدار خط ہی ہو سکتا ہے اور سطح کے لئے مقدار سطح اور جسم کے لئے مقدار جسم یعنی وہ خبر جس سے کمی بیشی مساوات معلوم ہو وہ ہم جنس ہی ہوتی ہے یہ ہی وجہ ہے کہ خط کو سطح سے نہیں ناپ سکتے اور اگر ناپ بھی لیتے ہیں تو اس کی ایک بُعد سے جو از قسم خط ہے ہوتا ہے، علیٰ ہذا القیاس اگر جسم کو سطح یا خط سے ناپیں تو اس کو بھی ایسا ہی سمجھو، بہر حال زمانہ ایک امتداد حرکت خداوندی ہے، اگر اندیشۂ تطویل نہ ہوتا تو انشاء اللہ اس بحث کو واشگاف کر دکھلاتا پر کیا کیجئے ذکر استطرادی بقدر ضرورت ہی زیبا ہے زیادہ نازیبا ہے، تس پر اہل فہم سے یہ

امید ہے کہ فقط اشارہ ہی ان کو کافی ہو مگر درصورتیکہ زمانہ کو حرکت کہا جاوے اس کے لئے کوئی مقصود بھی ہوگا جس کے آنے پر حرکت منتہی ہو جاوے سو حرکت سلسلۂ نبوت کے لئے نقطۂ ذات محمدیؐ صلعم منتہیٰ ہے، اور یہ لفظ اس ساق زمانی کے لئے ایسا ہے جیسا نقطہ راس زاویہ تاکہ اشارہ شناسانِ حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت کون و مکان و زمین و زمان کو شامل ہے، رہا یہ شبہ کہ زمانہ تو بعد ختم نبوت بھی باقی ہے اگر حقیقت زمانہ حرکت مذکورہ ہے تو لازم آتا ہے کہ مقصود تک ابھی نہیں پہنچی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر نہ ہوں، کیوں کہ مقصود و مطلوب نہیں جو منتہا حرکت مذکورہ ہوگا وہی افضل ہوگا سو یہ شبہ قابل اس کے نہیں کہ اہل فہم کو موجبِ تردد ہو، مگر بایں ہمہ دفع خلجان کے لئے یہ معروض ہے کہ ہر حادث زمانی کے لئے ایک عمر ہے کہ جس کی وجہ سے محققان صوفیہ کرام ہر حادث میں قائل تجدد امثال ہوئے کیونکہ زمانہ ایک حرکت ہے چنانچہ اس کا متجدّد غیر قادح الذات ہونا بھی اس کے مؤید ہے اس صورت میں مسافات متعددہ ہوئیں اور حرکات متعددہ منجملہ حرکت سلسلۂ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بسکون ہوئی، البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانۂ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہی وجہ ہے، غرض باعتبار زمانہ اگر شرف ہے تو زمانۂ مستقبل میں ہے کہ وہ ظرف مقصود ہے نہ یہ کہ ظرف مستقبل فی حد ذاتہ اشرف ہے اور باعتبار مکان جانبِ فوقانی، تاکہ فوقیت

مراتب پر دلالت کرے، باقی یہ فرق کہ بنی آدم کافر بھی ہوتے ہیں اور ملائکہ کافر نہیں ہوتے، یا ملائکہ تعداد میں زیادہ ہیں اور بنی آدم کم، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق اطلاق مماثلت میں قادح نہیں، یہ جو راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ وہ تباین جو مقتضاء اختلاف ماہیت ارض و سماء اور لوازم ماہیت ارض و سماء یا نامناسبات ماہیت ارض و سماء میں سے ہو ملحوظ کر کے پھر تماثل دیکھنا چاہیئے، سو جیسے عظمت سماوات اور صغر ارضین تشخصات و تعینات ارض و سماء میں داخل ہے، اور یہ اختلاف اس اختلاف مفہوم ہی میں آگیا ایسے ہی بوجہ مناسبت اختلاف مقادیر سکان بھی ضرور ہے، بلکہ اس صورت میں اگر یہاں کے سکان کو وہاں کے سکان کے ساتھ وہی نسبت ہو جو یہاں کی مقدار کو وہاں کی مقدار کے ساتھ ہر زمین کو اپنے مقابل کے ساتھ، تو عجب نہیں، اس صورت میں ممکن ہے کہ ساتویں زمین میں بالشئے ہوں، اور وہ زمین اس زمین سے ایسی چھوٹی ہو جیسے ساتویں آسمان سے یہ آسمان چھوٹا ہے اور اگر سماوات سب برابر ہیں تو زمینیں بھی سب برابر ہوں، رہا فرقِ اسلام و کفر، بناء اس فرق کے اختلاف لوازم ذاتی اور اختلاف مناسبات ذاتی پر ہے، پر علم تناسب نہایت درجہ کا علم غامض ہے علم کامل تناسب تو خدا ہی کو ہے، سو اس کے انبیاءؑ اور صدیقین رضؓ کو جو حکماء بنی آدم اور مصداق وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ہوتے ہیں کچھ ہو تو ہو دیکھئے موافق آیت اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ اور بہ مقتضائے اس حکم و عدل فہیم جس کا ہونا

خدا کی ذات پاک میں مثل توحید یقینی ہے، یہ ضرور ہے کہ گیہوں کو اس کے مناسب برگ بار، اور جَو کو اس کے مناسب، انگور کو اس کے مناسب، کھجور کو اس کے مناسب، روح انسان کو اس کے مناسب بدن اور روح حماری کو اس کے مناسب عطاء ہو، لیکن قبل مشاھدہ عطیات ہر نوع ایسا کوئی عاقل سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بتلا دے کہ گیہوں کے ایسے شاخ و برگ و بار ہوں گے، اور جَو کے ایسے، اور انسان کا ایسا بدن ہوگا، اور حمار کا ایسا۔ غرض تناسب و مناسبت یقینی، پر وجہ مناسبت و تناسب معلوم نہیں، علم الیقین عین الیقین جب بنے کہ ہم اندھوں کو وہ دیدۂ بصیرت عنایت ہو جس سے یہ فرق ایسا نمایاں ہو جائے جیسا اندھوں کو بعد بینا ہو جانے کے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ لال رضائی پر سبز گوٹ اور سبز رضائی پر لال گوٹ پھبتی ہے سوا اس کے اور گوٹ زیبا نہ ہوگی، بالجملہ جس چیز کو خدا نے کسی چیز کے ساتھ جوڑ دیا ہے یا مقابل میں رکھا خالی کسی تناسب سے نہیں جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب سنئے کہ تشبیہ نسبت بہ نسبت جب ہی معلوم ہو سکتی ہے جب دو چیزوں کا پہلے تناسب جدا معلوم ہو اور دو چیزوں کا جدا، مثلاً دو کو چار کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ہزار کو دو ہزار کے ساتھ، ظاہر ہے کہ اس تشابہِ نسبت کا یقین بطور عین الیقین یا حق الیقین جب ہی متصور ہے کہ دو اور چار کا تناسب بھی معلوم ہو اور ہزار دو ہزار کا تناسب بھی معلوم ہو، الغرض تشبیہ نسبت بہ نسبت وحدت نوع نسبت کو مقتضی ہے اور علم تشبیہ مذکور علم نوع مذکور کو، اور ظاہر ہے کہ وہ مماثلت جو لفظ مثلھن سے

بین السموات والارض مفہوم ہے تشبیہ نسبت ہے جس کو تشبیہ مرکب
کہئے تشبیہ مفرد بہ مفرد نہیں ورنہ زمین کو آسمان سے کیا مناسبت اور
کیا مشابہت اور اگر ہو بھی کوئی مناسبت، اور ظاہر ہے کہ کوئی نہیں
تو ہیں کیا آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ
مِثْلَھُنَّ میں بالیقین تشبیہ نسبت ہے، اس لئے کہ کم سے کم اگر نفس
عدد میں مماثلت ہوگی تب یہ معنی ہوں گے کہ اس مجموعہ کے اجزاء کو
باعتبار کم منفصل اس مجموعہ سے وہ نسبت ہے جو اس مجموعہ کے
اجزاء کو اس مجموعہ کے اجزاء سے، اور اہل فہم جانتے ہیں کہ یہ تاویل
نہیں کہ دھینگا دھینگی تشبیہ مفرد کو مرکب بنالینا ہے بلکہ یوں کہئے
کہ بتاویل مفرد بنالیتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ بتاویل مفرد ہوسکتا
ہے پر مفرد میں تاویل جملہ ممکن نہیں سو کیوں نہیں وجہ اس کی یہی
ہے کہ کثیر حقیقی کو تو بوسیلہ ہیئت اجتماعی واحد بنا سکتے ہیں پر واحد
حقیقی کو کسی طرح کثیر حقیقی نہیں بنا سکتے، سو یہاں دیکھ لیجئے کہ کیا
ہے واحد حقیقی ہے یا کثیر حقیقی، نہ عدد میں وحدت ہے نہ معدود میں
اور باعتبار ہیئت اجتماعی وحدت ہو بھی تو مقصود بالذات بالارادہ
نہیں البتہ عنوان مشبہ اور عنوان مشبہ بہ کہئے ورنہ اول تو من الارض
مثلھن نہ فرماتے سبع ارضین فرماتے جس میں لفظ کم ہوجاتے معنی واضح
ہوجاتے، کنایہ سے بہرحال صراحت میں زیادہ وضاحت ہوجاتی ہے باقی
اس لفظ میں کوئی اور خوبی زیادہ نہیں، مبالغہ فی عدد السبع متصور
نہیں جو یوں ہی کہئے کہ الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ، سواء مماثلت فی
العدد کہئے تو کلام از قبیل المعنی فی بطن الشاعر ہوجائے، ذات و

صفات کی بحث نہیں کہ الفاظ مستعملہ میں سے سواء اس لفظ کے
اداء معنی مقصود میں کام نہ دے، ہاں اگر مساوات فی المقادیر ہوتی
تو البتہ یہ محل اس لفظ کے لئے بہت عمدہ تھا، دوسرے یہ تشبیہ
نسبت اور علاوہ اس کے اور مناسبتیں اور مماثلتیں جو مذکور ہو چکیں
اس طرح سے ہرگز برابر راست نہ آئیں، بالجملہ یہاں تشبیہ نسبت میں
مشابہت اور مناسبت طرفین علاوہ نسبت مذکورہ ہرگز ضرور نہیں بلکہ
ممکن ہے کہ غایت درجہ کا بون بعید ہو، یہ ہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی
ان نسبتوں کو جو مخلوق کے ساتھ حاصل ہیں ان نسبتوں کے ساتھ
تشبیہ دیتا ہے جو مخلوق کو مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے، مثلاً فرماتے ہیں
ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
مِنْ شُرَكَاءَ فِيْمَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ تَخَافُوْنَهُمْ
كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ، یا فرماتے ہیں: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ
اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ
لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ، علیٰ ہٰذا القیاس اور بہت
جا تشبیہ نسبت مراد ہے تشبیہ مراد نہیں اور اس صورت میں ہرگز
نہ کسی طرح کا تجوز ہے نہ کسی طرح کی تاویل بلکہ جیسے دو روپیوں کو
چار روپیوں کے ساتھ وہ نسبت ہے جو دو پہاڑوں کو چار پہاڑوں
کے ساتھ، یا ہزار جوتوں کو دو ہزار جوتوں کے ساتھ یا لوگارثم کے
سلسلہ کو اپنے مقابل کے سلسلہ کے ساتھ یا مجذورات اعداد مرتبہ

ن الواحد الیٰ غیر النہایۃ کو اعداد مرتبہ کے ساتھ ہے، اور اس تشبیہ میں باوجودیکہ طرفین نسبتین میں کچھ مناسبت ہی نہیں ہرگز کچھ مجاز نہیں بلکہ تشبیہ اپنی معنی حقیقی پر ہے، اسی طرح آیۃ اَللّٰہُ الَّذِیْ میں خیال فرمایئے اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ترکیبات روحانی اور جسمانی بنی آدم اور حیوانِ ارضی وغیرہ کو ترکیبات روحانی و جسمانی ملائکہ افلاک کے ساتھ وہی نسبت ہو جو زمین کو فلک کے ساتھ، اور یہ فرقِ کفر واسلام نیرنگیٔ تراکیب مختلفہ سے پیدا ہوا ہو توضیح کی ضرورت ہو تو دیکھئے جیسے جسمان بنی آدم میں ترکیب عناصر ہے اور اس ترکیب کو بوجہ مشاہدۂ رطوبت، یبوست، حرارت، برودت خاص اربعہ عناصر اربعہ دریافت کیا ہے کیونکہ خاصہ کا وجود اپنے ملزوم اور مخصوص بہ کے وجود پر دلالت کرتا ہے ایسے ہی بوسیلۂ خاص اربعہ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ ارواح بنی آدم میں بھی چار عنصر سے ترکیب دی ہے، وہ خاص اربعہ کیا ہیں، ایک تو مضمون استکبار تھوڑا بہت سب میں مشہور ہے، دوسرا مضمون خواہش، تیسرا مضمون تأثر اور انفعال بھی قلیل کثیر سب میں ہے، چوتھا استقلال، علیٰ ہٰذا القیاس غصہ اور سبک حرکتی اور نرمی اور کسل بھی سب میں نظر آتی ہے، علیٰ ہٰذا القیاس مضمون عصیان و انقیادہ، نسیان و خطأ بھی سب میں موجود ہے، یہ بارہ چیزیں جو مذکور ہوئیں ان میں جن چار کو تو آتش وباد وآب وخاک کے ساتھ ایک مناسبت ہے اہل فہم خود سمجھ لیں گے، بایں ہمہ جیسے اختلاف مقادیر عناصر سے فرق حرارت و برودت و رطوبت و یبوست امزجہ بنی آدم پیدا ہوتا ہے، ایسے ہی فرق مقادیر ملزومات

خواص مذکورہ سے امزجہ روحانی میں عجیب عجیب ترکیبیں ظاہر ہوتی ہیں جن میں سے ایک مزاج کفر یا اسلام بھی ہے مگر باوجود مناسبت مذکورہ جو عناصر جسمانی اور عناصر روحانی میں مذکور ہوئی، تراکیب روحانی میں تو کفر و اسلام حاصل ہوتا ہے، پر تراکیب جسمانی میں حاصل نہیں ہوتا، سو اسی طرح اگر تناسب بین الملائکہ و بنی آدم محفوظ رہے، اور یہاں فرق کفر و اسلام نمایاں ہو وہاں نہ ہو تو کونسی ایسی محال یا دشوار بات ہے جس کی وجہ سے اطلاق مماثلت سماء و ارض میں متامل ہوجیے، بالجملہ مماثلت بین السماء والارض بجمیع الوجوہ ہے اور یہ فرق امزجہ ملائکہ رحمۃ و ملائکہ عذاب، ملائکہ جنت و ملائکہ دوزخ و ملائکہ متعینہ قبض ارواح اس تناسب کی تصحیح کے لئے کافی ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ جب ان اوہام کی مدافعت سے فراغت پائی تو مناسب یوں ہے کہ پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کیجئے، ناظران اوراق جب یہ بات سمجھ گئے ہیں کہ تشبیہ متضمن آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ تشبیہ نسبت ہے تشبیہ مفرد نہیں جو تساوی مقادیر اجرام و مافیہا لازم آئے تو یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اگر بطور تشبیہ یوں کہا جائے کہ فرد اکمل فلک ہفتم کو افراد باقیہ فلک مذکور کے ساتھ وہ نسبت ہے جو فرد اکمل فلک ششم کو اس کے افراد باقیہ کے ساتھ، یا فرد اکمل زمین ہذا یعنی خاتم النبیین صلعم کو فرد اکمل زمین دوم سے اسی طرح تشبیہ دیں اور مراد یہ ہو کہ آپ کو حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ، مثلاً وہ نسبت ہے

جو فرد اکمل زمین دوم کو حضرت آدم وغیرہم علیہم السلام کے مقابل
کے افراد زمین دوم کے ساتھ۔ اور اسی طرح اور فلک اور آراضی باقیہ
میں سمجھ لو تو محبان نبوی جو فہم خداداد بھی رکھتے ہیں متأمل تو کیا
ہوں گے برضا و رغبت اس مضمون کو قبول کریں گے کیوں کہ قطع نظر
اشارہ حسن انتظام خداوندی اور دلالت آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ الخ اس صورت میں عظمت شان نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم کس قدر ہے، اگر ہفت زمین کو بطور مذکور بہ ترتیب
فوق وتحت نہ مانئے تو پھر عظمت شان محمدی بہ نسبت اس قدر
عظمت کے جو درصورت تعلیم آراضی ہفتگانہ بطور مذکور لازم آتی
چھ گنی کم ہوجائے گی، ظاہر ہے کہ بادشاہِ ہفت اقلیم کو اگر کوئی نادان
فقط اسی اقلیم کا بادشاہ سمجھے جس میں وہ رونق افروز ہے تو یوں کہو
اس کی عظمت کے چھ حصے گھٹا دیئے فقط ایک ہی پر قناعت کی
غرض خاتم ہونا ایک امر اضافی ہے بے مضاف الیہ متحقق نہیں
ہوسکتا، سو جس قدر اس کے مضاف الیہ ہوں گے اسی قدر خاتمیت
کو افزائش ہوگی، جیسے بادشاہت ایک امر اضافی ہے محکوموں اور
رعیت کی افزائش پر اس کی ترقی اور عظمت موقوف ہے مگر ہاں
کوئی نادان آج کل کے نوابوں کو دیکھ کر دھوکا کھائے اور کہے کہ
جیسے آجکل کے نواب بے ملک نواب ہیں ایسے آنحضرت صلعم کی
خاتمیت اور انبیاء کی محتاج نہیں جو اس کی ترقی اور افزائش کے
لئے نبیوں کی تکثیر کی ضرورت ہو، بالجملہ کوئی نادان یا کوئی منافق
ایسی باتوں کی تسلیم میں متأمل ہو تو اہل فہم اور اہل محبت کو تو

تأمل نہیں ہو سکتا، ہاں بوجہ عدم ثبوت قطعی نہ کسی کو تکلیف عقیدہ دے سکتے ہیں نہ کسی کو بوجہ انکار کافر کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ اس قسم کے استنباط امت کے حق میں مفید یقین نہیں ہو سکتے احتمال خطا باقی رہتا ہے البتہ تصریحات قطعی الثبوت تو پھر تکلیف مذکور اور تکفیر مسطور دونوں بجا، سو یہاں ایسی تصریحات درجۂ قطعیت کو نہیں پہنچتی، یعنی نہ کلام اللہ میں ایسی تصریح ہے نہ کسی حدیث متواتر میں، البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اثر منقول ہے جو درجۂ تواتر میں نہیں پہنچا، نہ اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہوا، اس لئے تکلیف اعتقاد اور تکفیر منکران تو مناسب نہیں پر ایسے آثار کا انکار خصوصاً جب کہ اشارات کلام ربانی بھی اسطرف ہو خالی ابتداء سے نہیں ایسی باتوں کا منکر پورا اہل سنت وجماعت تو نہیں، کیوں کہ ائمہ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہے اور جس نے اس کو شاذ کہا ہے جیسے امام بیہقی تو انہوں نے صحیح کہہ کے شاذ کہا ہے، اور اس طرح سے شاذ کہنا مطاعن حدیث میں سے نہیں سمجھا جاتا۔

کما قال سید الشریف فی رسالتہ فی اصول الحدیث قال الشافعی الشاذ ماروٰہ الثقۃ مخالفاً لما رواہ الناس قال ابن الصلاح فیہ تفصیل فماخالف مفردہ واحفظ منہ واضبط فشاذٌ ومردودٌ وان لم یخالف وھو عدلٌ ضابط فصحیح وان رواہ غیر ضابط لکن لایبعد عن درجۃ انضباط فحسن وان بعض فمنکر، اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاذ کے دو معنی ہیں، ایک تو یہ کہ روایت ثقہ مخالف

روایت ثقات ہو، دوسرے یہ کہ اس کا راوی فقط ایک ہی ثقہ ہو سو باین معنی اخیر منجملہ اقسام صحیح ہے نہ ضد صحیح، چنانچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں: قال الشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی فی رسالته اصول الحدیث الّتی طبعها مولانا احمد علی فی اول المشکوٰة المطبوعة بعض الناس یفسّرون الشاذة بمفرد الراوی من غیر اعتبار مخالفة الثقات لما سبق ویقولون صحیح شاذ وصحیح غیر شاذ، فالشذوذ بهذا المعنی ایضا لا ینافی الصحة کالغرابة والذی یذکر فی مقام الطعن هو مخالف الثقات، انتہی۔

یہ عبارت بعینہ وہی کہتی ہے جو میں نے عرض کیا، سو لفظ شاذ سے کوئی صاحب دھوکا نہ کھائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ جب اثر مذکور شاذ ہوا تو صحیح کیوں کر ہو سکتا ہے، وہ شذوذ جو قادح صحت ہے بمعنی مخالفت ثقات ہے، چنانچہ سیّد شریف ہی رسالۂ مذکور میں تعریف صحیح میں یہ فرماتے ہیں: هو ما اتصل سنده بنقل العدل الضابط عن مثله وسلم عن شذوذ وعلة ونعنی بالمتصل مالم یکن مقطوعا بایّ وجه کان وبالعدل من لم یکن مستورا العدالة ولا مجروحا وبالضابط ان یکون حافظا متیقظا وبالشذوذ مایرویه الثقة مخالفا لما یرویه الناس وبالعلة مافیه اسباب خفیة فامفتة فادحر۔

اس تقریر سے اہل علم پر روشن ہوگیا ہوگا کہ شذوذ بمعنی مخالفت ثقات مراد نہیں کیوں کہ شذوذ بمعنی مخالفت ثقات

صحت کے لئے مفاد ہے، جو حدیث بایں معنی شاذ ہے وہ صحیح نہیں ہوسکتی، بایں ہمہ مخالفت عدم مخالفت کا عقدہ بھی تقریر گذشتہ سے کھل گیا، اگر اثر حضرت عبداللہ بن عباسؓ مخالفت تھا تو جملہ خاتم النبیین کے مخالف تھا یا ان احادیث کے معارض تھا جو مبیّن اور مفسر معنی خاتم النبیین ہیں، سو بعد مطالعہ تقریر گذشتہ اہل فہم کو تو انشاء اللہ کچھ تردد نہ رہیگا کہ اثر مذکور مؤید مثبت معنی خاتم النبیین ہے نہ مخالف، بلکہ اثر مذکور کا غلط ہونا البتہ ثبوت خاتمیت میں بہت قادح ہے اور کیوں نہ ہو درصورت انکار اثر معلوم خاتمیت کے سات حصوں میں سے ایک ہی حصّہ باقی رہ جاتا ہے اس صورت میں مدعیان محبت نبوی سے ہم کو یہ توقع ہے کہ جیسا اس اثر کا انکار کرتے تھے اب اتنا ہی اقرار کریں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، انکار میں تو تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کھٹکا تھا اقرار میں تو کچھ اندیشہ ہی نہیں، بلکہ سات زمینوں کی اگر لاکھ دو لاکھ اوپر نیچے اسی طرح اور زمینیں تسلیم کرلیں تو میں ذمہ کش ہوں کہ انکار سے زیادہ اس اقرار میں کچھ دقت نہ ہوگی، نہ کسی آیت کا تعارض نہ کسی حدیث سے معارضہ، رہا اثر معلوم اس میں سات سے زیادہ کی نفی نہیں ہے، سو جب انکار اثر مذکور میں باوجود تصحیح ائمہ حدیث یہ جرأت ہے تو اقرار اراضیٔ زائدہ از سبع میں تو کچھ ڈر ہی نہیں، علاوہ بریں بر تقدیر خاتمیت زمانی انکار اثر مذکور میں قدر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ افزائش نہیں، ظاہر ہے کہ اگر ایک شہر آباد ہو اور اس کا ایک شخص حاکم ہو یا سب میں افضل تو بعد اس کے کہ اس شہر کی برابر

دوسرا ویسا ہی شہر آباد کیا جائے اور اس میں بھی ایک ایسا ہی حاکم ہو یا سب میں افضل تو اس شہر کی آبادی اور اس کے حاکم کی حکومت یا اس کے فرد افضل کی افضلیت سے حاکم یا افضل شہر اول کے حکومت یا افضلیت میں کچھ کمی نہ آجائے گی، اور اگر در صورت تسلیم اور چھ زمینوں کے وہاں کے آدم، نوح وغیرہم علیہم السّلام سے زمانہ سابق میں ہوں تو باوجود مماثلت کلّی بھی آپ کی خاتمیت زمانی سے انکار نہ ہوسکے گا جو وہاں کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوات میں کچھ حجت کیجئے، ہاں اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا اس ہیچمداں نے عرض کیا ہے، تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہے پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی، افراد مقدرہ پر بھی آپکی افضلیت ثابت ہوجائے گی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں، یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے، بالجملہ ثبوت اثر مذکور ہونا مثبت ثابت خاتمیۃ ہے، معارض ومخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ بمعنی مخالف روایۃ ثقات ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ حسب مزعوم منکرانِ اثر اس اثر میں کوئی علت غامضہ بھی نہیں جو اسی راہ سے انکار صحت کیجئے، کیوں کہ اول تو امام بیہقی کا اس کی نسبت صحیح کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی

علت غامضہ خفیہ قادحۃ فی الصحۃ نہیں، دوسرے شذوذ تھا تو یہی تھا کہ مخالف جملہ خاتم النبیین ہے اور علت تھی تب یہ ہی تھی کہ اگر اور کوئی آیۃ یا حدیث ایسی ہوتی جس سے سات سے کم یا زیادہ زمینوں کا ہونا انبیاءؑ کا کم وبیش ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ وجہ شذوذ یہ ہے مگر آج تک نہ کسی نے ایسی آیت وحدیث سنی نہ مدعیوں نے پیش کی، علیٰ ہذا القیاس مضمون علت قادحہ کو خیال فرمایئے، آج تک سوائے مخالفت مضمون مذکور کسی نے کوئی وجہ قادح فی الاثر المذکور پیش نہیں کی۔ باقی اور فقط احتمال بے دلیل اس باب میں کافی نہیں ورنہ بخاری ومسلم کی حدیثیں بھی اس حساب سے شاذ ومعلل ہو جاویں گی اور نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ تاویل کہ یہ اثر اسرائیلیات سے ماخوذ ہے یا انبیاءؑ اراضی ماتحت سے مبلغان احکام مراد نہیں ہرگز قابل التفات نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ باعث تاویلات مذکورہ فقط یہی مخالفت خاتمیت تھی جب مخالفت ہی نہیں تو ایسی تاویلیں کیوں کیجیے جن کو مدلول معنی مطابقی سے کچھ علاقہ ہی نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ بڑوں کی تاویل کو نہ مانیئے تو ان کی تحقیر نعوذ باللہ لازم آوے گی، یہ انہیں لوگوں کے خیال میں آ سکتی ہے جو بڑوں کی بات فقط از راہ بے ادبی نہیں مانا کرتے ایسے لوگ اگر ایسا سمجھیں تو بجا ہے، المرءُ یقیسُ علیٰ نفسہ، اپنا یہ وطیرہ نہیں نقصان شان اور چیز ہے اور خطأ ونسیان اور چیز ہے، اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہونچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آگیا اور کسی نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہدی تو کیا

اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہوگیا ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں ٭ بغلط بر ہدف زند تیرے

ہاں بعد وضوح حق اگر فقط اس وجہ سے کہ یہ بات میں نے کہی اور وہ اگلے کہہ گئے تھے میری نہ مانیں اور وہ پرانی بات گائے جائیں تو قطع نظر اس کے کہ قانون محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بہت بعید ہے، ویسے بھی اپنی عقل وفہم کی خوبی پر گواہی دیتی ہے، پھر بایں ہمہ یہ اثر اگرچہ بظاہر موقوف ہے مگر بالمعنی مرفوع ہے اس لئے کہ صحابی کا بطور جزم ان امور کا بیان کرنا جن میں عقل کو دخل نہ ہو اہل حدیث کے نزدیک مرفوع ہوتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ سب کے سب عدول اور پھر عدول بھی اول درجے کے تقوی میں ایسے یکے کہ اور کسی سے ان کی ریس نہیں ہوسکتی، پھر یہ کب ہوسکتا ہے کہ عمداً جھوٹ بولیں اور وہ بھی دین کے مقدمہ میں ہاں بطور احتمال جیساکہ استنباط میں ہوا کرتا ہے، ایسی باتوں میں جن عقل کو مداخلت ہے دخل دینا ان سے ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور ان سے کیا تمام اکابر سے یہ بات منقول ہے، مگر اثر مذکور کا بطور جزم ہونا اور مضمون مذکور کا عقلیات میں سے نہ ہونا ظاہر و باہر ہے، سو جب اثر مذکور مرفوع ہوا اور سند اس کی صحیح آیۃ مذکورہ اس کی مؤید محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مائل حسن انتظام جو ہر نوع میں مشہور ہے اس پر شاہد، عظمت و قدرت اس پر دال تس پر بھی انکار کیا جائے تو بجز اس کے اور کیا کہا جائے کہ امثال روافض و خوارج و اہل اعتزال ایسی باتیں کیا کرتے ہیں ان فرقوں

نے بھی بوجہ قصور فہم آیات و آلۂ رویت و تقدیر و خلق، افعال میں تاویلیں کیں اور احادیث مصرحہ مضامین مذکورہ کو تسلیم نہ کیا بلکہ تکذیب سے پیش آئے سو جیسے آیات مذکورہ کی تاویلوں اور احادیث مذکورہ کی تکذیبوں کے باعث اہل حق نے ان کو دائرۂ اہل سنت وجماعت سے خارج سمجھا ایسے ہی منکر اثر مذکور کو بھی سمجھنا چاہیئے اتنا فرق ہے کہ احادیث رویت وغیرہ اثر مذکور سے صحت میں اقوٰی تھیں، اور آیات مذکورہ دلالت مذکورہ میں آیۃ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے جو اطلاق مماثلت پر دلالت کرتی ہے زیادہ اس لئے وہ بڑے بدعتی ہوں گے یہ چھوٹے مگر ہرچہ بادہ بادستی ہونا دونوں کا معلوم خاص کر جب یہ دیکھا جائے کہ اگر آیتِ رویت کی دلالت آیۃ اَللّٰہُ الَّذِیْ کی دلالت سے زیادہ واضح اور احادیثِ رویت وغیرہ کی صحت اثرِ مذکور کی صحت سے زیادہ قوی تو کیا ہوا جیسے یہ فرق اس طرف سے ہے مزاحمت خیالاتِ عقلی میں قصہ الٹا ہے یعنی رویت وغیرہ کے تسلیم کرنے سے بظاہر قوی قوی دلائل مانع ہیں اور ہر زمین میں آدم و نوح وغیرہم علیہم السلام کے تسلیم کرنے سے کوئی دلیل مانع نہیں باقی خیالات اہل ہیئت اگر مزاحم تصدیق اصل اراضی ہفت گانہ ہے چہ جائیکہ وجود انبیاء مذکورین تو اول تو اس باب میں تنہا اثر مذکور ہی نہیں بلکہ آیت مذکورہ اس باب میں قریب نص کے ہے، دوسری وہ حدیث جو بروایت ابی ہریرۂ وحوالہ مشکوٰۃ بلفظہ اوپر منقول ہوچکی ہے، اس کی معاضد، ادھر خیالات اہل ہیئت ظنی خود اہل ہیئت اس کے ظنی ہونے کے قائل

اور ان کے دلائل کا انّی ہونا ظاہر سو اگر کسی ذہن کو یہ وہم دامنگیر
بھی ہو کہ اس صورت میں افلاک باہم متصل نہ رہیں گے مرکز زمین
مرکز عالم پر منطبق نہ رہے گا تو اس کو اتنا کہدینا چاہیئے کہ وہ خیالات
جو ہزار طرح سے صحیح ہو سکتے ہیں انہی احتمالات پر جو مذکور ہوئے
موقوف نہ ہوں معارض قول مخبر صادق نہیں ہو سکتے اگر اطمینان
منظور ہو تو دیکھ لیجئے بطلیموس کیا کہتے ہیں، اور فیثاغورثی کیا
یونانی کیا بکتے ہیں، اور انگریز کیا، بایں ہمہ حساب طلوع و غروب
و خسوف و کسوف و صیف و شتاء و غیرہ سب برابر صحیح، جب
باہم اہل ہیئت ہی میں یہ اختلاف ہے اور مقصد برابر حاصل تو
پھر ان خیالات کے بھروسے انکار اقوال مخبر صادق کرنا نہایت
نازیبا ہے ۔ اہل ہیئت مجسمہ جو شمس و قمر وغیرہ کو متحرک مانتے
ہیں اور زمین کو ساکن آخر بہ ضرورت تصحیح حساب حرکات اکثر
افلاک میں خارج المرکز مانتے ہیں، اور جو برعکس کہتے ہیں وہ زمین
کے مدار کو بیضوی کہتے ہیں، سو اگر باعتماد شارع مخبر صادق زمین
کو خارج المرکز کہہ لیا تو کیا گناہ ہے بلکہ اس طرف خارج المرکز نہ
مانئے اور اس طرف خروج مرکز مان لیجئے تو بعد ضم بعض مقدمات
جب بھی تصحیح حساب مذکور ممکن ہے، اتنا فرق ہے کہ کسی نے
یوں ہی اٹکل کے تیر مارے، کسی نے دیکھنے والوں کی زبانی کہا خیر
یہ بات دور جا پڑی اثر مذکور کے الفاظ اس کے قریب قریب ہیں،
فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم
وعیسیٰ کعیسیٰکم ونبی کنبیکم ، جملہ اخیر سے صاف روشن

ہے کہ تشبیہ فی التسمیہ مراد نہیں تشبیہ فی المرتبہ مراد ہے سو آدم کا دم کم الخ نام لیکر تشبیہ دینی ایسی ہے جیسے عربی میں کہا کرتے ہیں لکلّ فرعون موسیٰ، یا اردو میں کہتے ہیں فلانے کا بادا آدم ہی نرالا ہے، غرض جیسے یہاں نام مذکور ہے اور غرض مرتبہ ومقام مسمیٰ سے ہے، ایسے ہی اثر مذکور میں بھی خیال فرمایئے کہ تشبیہ فی المرتبہ یعنی فی نسبۃ مراد ہے فقط تشبیہ فی التسمیہ مراد نہیں، ہاں کمال مماثلت اس بات کو مقتضی ہے کہ وہاں بھی یہی نام ہوں اور شاید یہی وجہ ہے کہ نام کو ذکر کیا، غرض جملۂ اخیرہ میں تشبیہ فی النبوت دیگر اور پہلے جملوں میں اسماء کا ذکر کرکے شاید اس جانب اشارہ کیا ہو کہ جیسے مقامات افراد آراضی سافلہ مقامات افراد آراضی عالیہ میں، ایسے ہی توافق بالاسم بھی ہے جب تمام ان مضامین سے فراغت حاصل ہوئی اور بحمداللہ تمام شکوک اور اوہام کا استیصال کلی ہوگیا تو لازم یوں ہے کہ توضیح تشبیہ نبیّ کنبیّکم ایسی طرح کیجئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور آراضی سافلہ کے خواتم کی آپ کے ساتھ مشابہت دونوں معاً ایسی طرح ثابت ہوجائیں کہ پھر کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہے اور نیز یہ اشکال بھی مرتفع ہوجائے کہ مماثلت فی النبوت کا آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ میں مراد ہونا مسلم وجوہ مذکور بالا اس بات کے اثبات کے لئے کافی پر اثر میں اس تشبیہ کو جو اول سے آخر تک موجود ہے تشبیہ فی النسبۃ کہنا بظاہر مخالف، ظاہر ہے یہاں تو تشبیہ مفرد کہئے تو بجا ہے تشبیہ فی النسبۃ کہیں گے تو وہی تشبیہ مرکب

لازم آئے گی، بالجملہ بغرض توضیح مشار الیہا و دفع شبہہ مسطور یہ ہیچمداں اور بھی کچھ رقم طراز ہے پر اہل فہم و انصاف سے توجہ و اقرار حق کا خواستگار ہے۔ سنئے نبوت وہ کمال ہے جو مثل جمال امور کثیرہ پر موقوف ہے، حدیث الرؤیاء جزء من ستة واربعین جزء من النبوت سب ہی کو یاد ہوگی بخاری وغیرہ صحاح میں موجود ہے، دیکھئے، اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ کمال نبوت کوئی امر بسیط نہیں، سو جیسے جمال جملہ اعضاء ضروریہ کے مجتمع ہوجانے سے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی کمال نبوت بھی تمام کمالات ضروریہ کے اجتماع سے حاصل ہوتا ہے مگر جیسے تناسب جمال کا کوئی ایک قاعدہ نہیں، ہر حسین میں ایک جداہی تناسب ہے علیٰ ہٰذاالقیاس تناسب کمالات نبوت بھی ایک ہی انداز پر نہیں ہوتا، کہیں کوئی تناسب ہوتا ہے کہیں کوئی تناسب ہوتا ہے، سو اگر دو نبیوں کے کمالات میں ایک ہی تناسب ہو تو ایک کی نبوت دوسرے کی نبوت کے مماثل ہوگی نہیں تو نہیں، مگر جیسے اس عالم میں دو جمال ایک تناسب کے منظر نہیں آتے اگرچہ حد ذاتہ ممکن ہو، ایسے ہی دو کمالات نبوت بھی ایک تناسب کے عالم میں معلوم نہیں ہوتے ہاں جیسے آئینہ میں عکس جمال کا تناسب بھی وہی ہوتا ہے جو اصل جمال کا تناسب، ایسے ہی عکوس کمال نبوت کا تناسب بھی وہی ہوگا جو اصل کمال کا تناسب ہے۔ اگر کہیں فرق پڑیگا تو آئینہ ماہیت معروض کی وجہ سے فرق پڑے گا جیسے تناسب عکس جمال میں آئینہ کی وجہ

سے کہیں فرق پڑ جاتا ہے، یعنی کہیں عکس مذکور اس تناسب پر معلوم نہیں ہوتا جو اصل میں ہوتا ہے بلکہ اس کی نسبت لمبا یا موٹا یا چوڑا نظر آنے لگتا ہے، علیٰ ھٰذا القیاس آئینہ رنگ میں جیسے عکس برنگِ اصل ہوتا ہے اور آئینہ سبز و سرخ میں عکس برنگ اصل نہیں رہتا بلکہ الوان آئینہ کے تابع ہو جاتا ہے ایسے ہی کیفیات عکوس نبوت میں اگر فرق پڑیگا تو اس کا باعث کوئی کیفیت خاصہ آئینہ ماہیت معروض نبوت ہوگا، جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو آگے سنئے، تقریر متعلق معنی خاتم النبیین سے تو یہ بات سب ہی اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ موصوف بوصف نبوت بالذات تو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں باقی اور انبیاء میں اگر کمال نبوت آیا ہے تو جناب ختمی مآب صلعم ہی کی طرف سے آیا ہے مگر بایں لحاظ کہ ہر نبی کی روح اس کی امتیوں کی ارواح کے لئے معدن اور اصل ہوتی ہے، چنانچہ تقریر متعلق آیۃ النبیّ اولیٰ بالمومنین من انفسھم میں ادنیٰ تأمل کیجئے تو اس پر شاہد ہے، یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اور انبیاء رسول اللہ صلعم سے فیض لے کر امتیوں کو پہنچاتے ہیں، غرض بیچ میں واسطۂ فیض ہیں مستقل بالذات نہیں، مگر یہ بات بعینہ وہی ہے جو آئینہ کی نور افشانی میں ہوتی ہے غرض جیسے آئینہ آفتاب اور اس دھوپ میں واسطہ ہوتا ہے جو اس کے وسیلہ سے ان مواضع میں موجود ہوتی ہے جو خود مقابل آفتاب نہیں ہوتی پر آئینہ مقابل آفتاب کے مقابل ہوتی ہے، ایسے ہی انبیاء باقی بھی مثل آئینہ بیچ میں

واسطۂ فیض ہیں، غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس
محمدیؐ ہے کوئی کمال ذاتی نہیں پر کسی نبی میں وہ عکس اسی تناسب
پر ہے جو جمال کمال محمدیؐ میں تھا، اور کسی نبی میں بوجہ معلوم وتناسب
نہیں، رہا سو جہاں کہیں نبیؐ کنبیّکم فرمایا ہے اس میں بقاء تناسب
کی جانب اشارہ ہے، بہرحال بعد لحاظ معنی خاتم النبیین اور تشبیہ
مندرجہ نبیؐ کنبیّکم یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اور زمینوں میں
عکوس محمد صلعم اسی تناسب کے ساتھ ہیں اور مفہوم تناسب سے
اس تشبیہ کا تشبیہ فی النسبۃ ہونا بھی ظاہر ہوگیا، یعنی کمالات اصل
میں جو تشبیہ تھی وہی نسبت کمالات عکوس میں بھی محفوظ رہے
اس صورت میں اگر اصل وظل میں تساوی بھی ہو تو کچھ حرج نہیں
کیونکہ افضلیت بوجہ اصلیت پھر بھی ادھر رہے گی، اور اگر یوں کہئے
مشبہ بہ ذات محمدیؐ ہے اور مشبہ فرادیٰ فرادیٰ ہر نبی کی ذات، اس
لئے اس تشبیہ کو تشبیہ مفرد کہنا چاہیئے نہ کہ مرکب سو ہماری طرف
سے بھی سلمنا، مگر بہرحال مشبہ بہ اور مشبہ کو واحد کہو یا متعدد وجہ
تشبیہ تناسب داخلی یعنی تناسب بین الکمالات اور تناسب خارجی
یعنی تناسب بین الانبیاءؑ دونوں ہی کو کہنا پڑیگا تاکہ اطلاق تشبیہ
ہاتھ سے نہ جائے اور افضلیت محمدیؐ کے لئے یہ وجہ اور ہاتھ آجا
ئیگی کہ جیسے آئینہ میں عکس زمین کی دھوپ عکس آفتاب کا طفیل
ہے اور اس وجہ سے آفتاب ہی کی طرف منسوب ہونی چاہیے ایسی
ہی اور زمینوں کے خاتموں کے فیوض خواہ ارواح انبیاءؑ ہوں یا ارواح
امت ان کے کمال ہوں یا ان کے سب آپ ہی کی طرف منسوب

ہوں گے، ان تمام مضامین کے مطالعہ کرنے والوں کو یہ بات بخوبی روشن ہوگئی ہوگی کہ درصورت تسلیم آراضی دیگر بطور معلوم بشہادت جملہ خاتم النبیین تمام زمینوں میں ہمارے ہی نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوگی اور وہاں کے انبیاءؑ آپ ہی کے دریوزہ گر ہوں گے اور سب جانتے ہیں کہ اس میں جو فضیلت ہے درصورت انکار اراضی ماتحت وہ فضیلت ہاتھ سے جاتی رہیگی مگر ہاں شاید کسی صاحب کو یہ وسوسہ حیران کرے کہ اگر اور چھ زمینوں کے بطور معلوم ہونے میں حضرت خاتم النبیین صلعم کی فضیلت کو یہ افزایش ہے تو اور چھ خداؤں کے تسلیم کرنے میں مثلاً اسی طور خدا کی خدائی کو بقدر معلوم افزایش ہوگی، سو ہر چند یہ شبہ انہیں لوگوں کو ہو تو ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے برابر اور آپ کی نبوت کو خدا کی خدائی کے برابر سمجھتے ہیں، یعنی اس کے تعدد سے اس کا تعدد اور اس کی وحدت سے اس کی وحدت پر ایمان لانے کو تیار ہوتے ہیں سو ایسے لوگوں سے ہمارا کلام بھی نہیں ہم تو کس شمار میں ہیں وہ تو خدا کو بھی نہیں مانتے، ہاں بایں خیال کہ شاید کسی ایسے ویسے سے سُن سنا کر کسی اور کو دھوکا نہ پڑے یہ گذارش ہے کہ یوں تو اور بھی بہت سے اوصاف منقسم الی بالذات و بالعرض نہیں ہوتی، پر ایک خدائی دوسرے امکان خاص ان دونوں میں تو فرق بالذات و بالعرض نہیں ہوتا، جیسے امکان کے لئے ایک امکان بالذات ہی فرد ہے امکان بالغیر کی گنجائش نہیں ورنہ واجب اور ممتنع بھی کبھی ممکن خاص ہوجایا کرتی ایسے ہی

خدائی کے لئے بھی ایک یہی بالذات کی صورت ہے ورنہ ممکن اور ممتنع بھی کبھی نہ کبھی خدا ہوجاتے اور بھی نہیں تو ان کا خدا ہونا تو ممکن ہوتا، سوا ان دونوں وصفوں کے اور اوصاف مشہورہ خاص کر اوصاف مشترکہ بین الواجب والممکن میں دونوں قسمیں ہوتی ہیں کہیں بالذات کہیں بالعرض باقی وہ بات جس سے امکان اور خدائی کا قسم بالذات ہی کے ساتھ اختصاص سمجھ میں آجائے اور اوصاف باقیہ کا دونوں قسموں کی طرف منقسم ہونا روشن ہوجائے، یہ ہے کہ اکثر اوصاف کا ان دونوں قسموں کی طرف منقسم ہونا تو سب ہی جانتے ہیں پر یہ بھی سب جانتے ہوں گے کہ کسی وصف کے ساتھ اگر قید بالذات یا بالعرض لگالیں اور اس وصف مع القید یعنی مقید کو دیکھیں تو پھر دوسری قسم کی گنجائش نہ رہے گی ورنہ اجتماع الضدین لازم آئیگا، ظاہر ہے کہ سواد بالذات بالعرض نہیں ہوسکتا اور سواد بالعرض بالذات نہیں ہوسکتا اور یہ ایسی موٹی بات ہے کہ کوئی صاحب اس میں متامل نہ ہوگا، ہاں فہم ہی نہ ہو تو پھر ان کا کچھ قصور نہیں، سو اور مفہومات تو ان دونوں قیدوں سے معرٰی ہیں اور مفہوم خدائی اور مفہوم امکان میں یہ قیدیں ماخوذ ہیں، خدائی کا مفاد تو موجودیت بالذات ہے اور امکان کا مفاد موجودیت بالعرض، اور نبوت اور رسالت میں ظاہر ہے کہ یہ بات مقصود ہے بلکہ مفہوم خدائی اور امکان چونکہ مفہوم اضافی نہیں تو یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ کہیں خدائی اور امکان مطلق ہو اور کہیں بالاضافت، ہاں خاتمیت چونکہ مفہوم اضافی ہے تو یہ فرق اطلاق اور اضافت یہاں جاری ہوسکتا ہے، باقی اس کا اضافی

ہونا سب ہی جانتے ہوں گے میں کس لئے قلم گھساؤں ہاں یہ بات قابل گذارش ہے کہ امکان میں چونکہ وصف بالعرض ماخوذ ہے اور اس کے حق میں منجملہ ذاتیات ہے تو یہاں بھی باوجودے کہ مفہوم بالعرض ماخوذ ہے بالذات ہی میں انحصار رہا کیوں کہ امکان مجموعہ موجودیت بالعرض کا نام ہے سو کسی صاحب کو یہ شبہ نہ پڑے کہ یہاں تو امکان بالعرض ہونا چاہئے تھا بالذات کیوں ہوا ہاں مفہوم موجودیت کو دیکھیں تو البتہ یہی حساب ہے اور ظاہر ہے کہ ممکنات موجود فی الخارج ہوں یا مرتبہ اعیان ثابتہ میں ان کو تحقق ہو دونوں جا موجود بالعرض ہیں بالذات نہیں کیونکہ یہاں وجود خارجی کے اوصاف انتزاعیہ میں سے ہیں اور وہاں وجود باطنی کے اوصاف انتزاعیہ میں سے، اور سب جانتے ہیں کہ اوصاف انتزاعیہ موجود بوجود المنشاء ہوتے ہیں جس میں سے موجودیت بالعرض ٹپکتی ہے موجود بالذات نہیں ہوتی، واللّٰہ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

بعد اس تفصیل کے بطور خلاصۂ تقریر وفذلکۂ دلائل یہ عرض ہے کہ ہر زمین میں اس زمین کے انبیاء کا خاتم ہے پر ہمارے رسول مقبول صلعم ان سب کے خاتم، آپ کو ان کیساتھ وہ نسبت ہے جو بادشاہ ہفت اقلیم کو بادشاہان اقالیم خاصہ کے ساتھ نسبت ہوتی ہے، جیسے ہر اقلیم کی حکومت اس اقلیم کے بادشاہ پر اختتام پاتی ہے، چنانچہ اس وجہ سے اسکو بادشاہ کہا آخر بادشاہ تو وہی ہوتا ہے جو سب کا حاکم ہوتا ہے، ایسے ہی زمین کی حکومت، نبوت اس زمین کے خاتم پر ختم ہوجاتی ہے

پر جیسے ہر اقلیم کا بادشاہ باوجودیکہ بادشاہ ہے پھر بادشاہ ہفت اقلیم کا محکوم ہے۔ ایسے ہی ہر زمین کا خاتم اگرچہ خاتم ہے پر ہمارے خاتم النبیین کا تابع جیسے بادشاہ ہفت اقلیم کی عزت اور عظمت اپنی اس اقلیم کی رعیت پر حاکم ہونے سے جس میں خود مقیم ہے اتنی نہیں سمجھی جاتی جتنی بادشاہان اقالیم باقیہ پر حاکم ہونے سے سمجھی جاتی ہے، ایسے ہی رسول اللہ صلعم کی عظمت و عزت اپنی اس اقلیم کی رعیت پر حاکم ہونے سے جس میں خود مقیم ہے اتنی ہی نہیں سمجھی جاتی جتنی بادشاہان اقالیم باقیہ پر حاکم ہونے سے سمجھی جاتی ہے۔ ایسے رسول اللہ صلعم کی عزت اور عظمت فقط اس زمین کے انبیاءؑ کے خاتم ہونے سے نہیں سمجھی جا سکتی جتنے خاتمین آراضی سافلہ کے خاتم ہونے سے سمجھی جاتی ہے، مگر تعجب آتا ہے آج کل کے مسلمانوں سے کس تشدد سے اور خاتموں بلکہ خود زمینوں سے انکار کرتے ہیں تس پر ماننے والوں پر کفر کے فتوی دے دیتے ہیں یا سنی نہ ہونے کا اتہام کرتے ہیں یہ وہی مثل ہوئی کہ نکٹوں نے ناک والوں کو ناکو کہا تھا۔ خلاصہ مکنون خاطر منکرین اس صورت میں یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلعم کو اتنا عظیم الشان مت سمجھو کافر ہو جاؤ گے، رسول اللہ صلعم سے اتنی محبت نہ کرو دیکھو سنی نہ رہو گے۔ سو اگر یہی کفر و اسلام اور یہی بدعت و سنت ہے تو اسلام سے کفر بہتر ہے اور سنت سے بدعت افضل ہے۔ امام شافعیؒ نے ان لوگوں کے مقابلے میں جو محبت اہل بیت بوجہ غلو رفض سمجھتے تھے یوں فرمایا تھا۔ شعر

ان کان رفضاً حب آل محمد ⁂ فلیشهد الثقلان انی رافض

ہم ان صاحبوں کے مقابلہ میں جو رسول اللہ صلعم کی اس قدر ازدیاد قدر سے کہ ان کے خیال سے سات گنی ہوجائے یہ بُرا مانتے ہیں قائلین ازدیاد قدر کو کافر یا خارج از مذہب اہل سنّت سمجھتے ہیں، اس شعر کو بدل کر یوں پڑھتے ہیں ؎

ان کان کفراً حبّ قدر محمد ⁂ فلیشهد الثقلان انی کافر

تو یہ خلاصہ مطلب تھا، اب خلاصہ دلائل بھی سنئے کہ در بارۂ وصف نبوت فقط اسی زمین کے انبیاء علیہم السلام ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مستفید و مستفیض نہیں جیسے آفتاب سے قمر و کواکب باقیہ بلکہ اور زمینوں کے خاتم النبیین بھی آپ سے اسی طرح مستفید و مستفیض ہیں، مگر یہ بات سات زمینوں کے ہونے اور ہر زمین میں انبیاءؑ کے ہونے پر اور پھر ان انبیاءؑ کے وصف نبوت میں معروض، اور آپ کے واسطہ فی العروض ہونے پر موقوف ہے، جب تک یہ بات ثابت نہ ہو تب تک ثبوت مطلب متصور نہیں، سو سات زمین کے ہونے پر ایک تو آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ الخ دوسرے حدیث مسطور، ایک جس کو من ادلّہ الیٰ آخرہ نقل کر چکا ہوں، اور بعد ظہور توافق آیت وحدیث اس باب میں ان تفسیروں کا قول جنھوں نے سبع ارضین سے سبع اقالیم مراد لی ہیں یا ہفت طبقات زمین واحد تجویز کئے ہیں معتبر نہیں ہوسکتا خاص کر اہل فہم کے نزدیک، کیوں کہ آیت مذکورہ ہی معونت و معینہ حدیث

مسطور تعداد آراضی پر اور وہ بھی بقدر ہفت ایسی صاف دلالت کرتی ہے جیسے آسمانوں کے سات ہونے پر لفظ سبع سموات کے معنی میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ سات ٹکڑے ہیں یا سات برج مثلاً، یا سات طبقے ایک آسمان کے ہیں، ایسے ہی یہاں یہ خیال باطل نہ باندھنا چاہیئے، اور ہر زمین میں انبیاؑ ہونے کی دلیل بھی قطع نظر اس ثبوت کے اوپر جو مرقوم ہوا بدستور مضمون سابق ایک آیت ہے اور ایک حدیث، آیت تو یہی اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ اور حدیث و اثر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جس کی طرف اوپر اشارہ گذرا، دلالت اثر تو ظاہر ہے پر دلالت آیۃ میں البتہ اتنی تفصیل نہیں، سو یہ اسی پر کیا موقوف ہے اکثر آیات اسی طرح اپنے مطالب پر دلالت کرتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ مَاقَلَّ وَ کَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْهٰی یا مَاقَلَّ وَدَلَّ خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَمَلَّ سو تمام آیات میں یہی ہے کہ الفاظ قلیل اور معنی کثیر لیکن فہم تو جتنا پورا پورا بیان مطالب کلام اللہ کے الفاظ میں ہوتا ہے وتنا اور الفاظ اور بیانات تو درکنار الفاظ حدیث میں بھی نہیں پر تھوڑے سے الفاظ میں مطالب کثیرہ جو مجتمع ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے سے باعتبار الفاظ جدا نہیں ہوتے یعنی ہرایک مطلب کے لئے جدا لفظ نہیں ہوتا، اس لئے ہم سے جاہلوں کو بسا اوقات معلوم نہیں ہوتی، ہاں بدلالت شرح صحیح جو احادیث صحیحہ نبوی صلعم ہیں البتہ بڑے بڑے مطالب تھوڑے تھوڑے الفاظ سے نکل آتے

ہیں، غرض احادیث نبوی صلعم قرآن کی اول تفسیر ہیں اور کیوں نہ ہو
کلام اللہ کی شان میں خود فرماتے ہیں وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ جب کلام اللہ میں سب کچھ ہوا یعنی ہر
چیز بالاجمال مذکور ہوئی تو اب احادیث میں بجز تفسیر قرآنی اور کیا
ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر
قرآن داں بھی کوئی نہیں ہوا، اس صورت میں جو کچھ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی صحیح ہوگا، اگر آپ کی طرف کوئی
قول منسوب ہو اور عقل کے مخالف نہ ہو تو گو باعتبار سند اتنا قوی
نہ ہو جیسے ہوا کرتی ہیں تب بھی اور مفسروں کے احتمالوں سے
تو زیادہ ہی سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ اقوال مفسرین کی سند بھی
تو اس درجہ کی کہیں کہیں ملتی ہے پھر ان کی فہم کا چنداں اعتبار
نہیں، ہوسکتا ہے کہ ان سے خطا ہوئی ہو تس پر پھر باعتبار سند
بھی برابر ہوئی، اور ایک آپ کا قول ہو دوسرا کسی دوسرے کا
تو بے شک آپ ہی کا قول مقدم سمجھا جائیگا اور اگر سند بھی
حسب قانون اصول حدیث اچھی ہو تو پھر تو تامل کا کام ہی نہیں
سو دیکھئے فقط يَتَنَزَّلُ کے اگر یہ معنی بیان کئے جائیں کہ نزول
اوامر و نواہی اور نزول وحی ہوتا ہے اور اثر مذکور کو اسکی شرح
کہی جائے تو بایں وجہ کہ المعنی مرفوع ہے اور باعتبار سند صحیح
بے شک تسلیم ہی کرنا پڑیگا بلکہ یہ قصہ ایسا ہو جائیگا جیسے کسی
اندھے کی آنکھ بنا کر اس سے پوچھیں آفتاب کہاں ہے اور وہ
ٹھیک بتلائے اور آفتاب کو دیکھ کر اس کو چھینک آئی تو جیسے

آفتاب کا اس جا پر ہونا اس کے بینا ہوجانے پر شاہد اور اس کا بینا ہوجانا آفتاب کے اس جگہ ہونے پر، ایسے ہی آیت تو اثر مذکور کی مصدق ہے اور اثر مذکور آیت کی مصدق، اس پر مجھ کو ایک نقل یاد آئی۔

نقل:۔ حضرت جنیدؒ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں، حضرت جنیدؒ نے ایک لاکھ یا پچہتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ دی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں، سو اس پر آپؒ نے فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث معلوم سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی، سو ایسے ہی یہاں بھی سمجھئے کہ آیت مذکور بہ تفسیر مشار الیہ تو اثر مذکور کی مؤید اور اثر مذکور بتفسیر مذکور کے موافق، بالجملہ قوی احتمال اس آیت میں نزول وحی ہوتا ہے پھر بینھنّ کی ضمیر یا تو فقط ارض مع مثلھنّ کی طرف راجع ہوگی اور بوجہ قرب اس طرف زیادہ دھیان جاتا ہے یا سمٰوات اور ارض مع مثلھنّ سب کی طرف، بہر حال مطلب یہی ہوگا، سو نزول امر بین السمٰوٰت تو حدیث ترمذی سے جس کی طرف ہم اشارہ

کر چکے ہیں معلوم ہو چکا اور یہاں اس آیت اور اس اثر سے معلوم
ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس نزول امر کو نبوت لازم ہے غایت
فی الباب ملائکہ کو حسب اصطلاح نبی نہ کہو پر نبوت بمعنی نزول
اور امر بہر حال ثابت ہے اور یہ بات پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ یہ
زمین سب زمینوں سے اوپر ہے اور اور زمینیں اوپر تلے اس کے
تلے واقع ہیں اور نزول اوپر سے کسی چیز کے آنے کو کہتے ہیں،
اس صورت میں نزول امر ادھر سے ادھر کو ہوگا تاکہ مضمون
بینہن متحقق ہو کیوں کہ اگر نزول احکام الٰہی اراضی باقیہ میں
بے واسطہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کرتا در صورتیکہ
مرجع ضمیر جمع مذکور میں اراضی بھی داخل ہوں تو یوں نہ فرماتے
بلکہ یتنزل الامر فیھن یا علیھن فرماتے، واللہ اعلم۔ باقی اس
کی تصحیح میں بیہودہ تاویلیں جب گھڑیئے جو معنی متبادر کے
لینے میں کچھ دقت ہو بلکہ انصاف سے دیکھئے تو معنی حقیقی یہی
ہیں کہ ادھر سے ادھر کو نزول سمجھا جائے اور وحی مذکور بواسطہ محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے کے انبیاءؑ کو اس طرح پہونچے
جیسے حکام کے احکام ملازمان بالادست کے واسطہ سے ملازمان
ماتحت کو پہونچتے ہیں اور وہ مضمون علمت علم الاولین و
الآخرین بہ نسبت انبیاءؑ ماتحت اس طرح سے راست ہو کر اول
آپ کو وحی آئے اور پھر ملائکہ کے واسطہ سے ان کو پہونچے اور
یہ نہیں تو نہ سہی مجرد حصول جمیع علوم ہی کافی ہے یوں ہو یا
جیسے علوم انبیاءؑ زمین ہذا حاصل ہوئے باقی رہا آپ کا وصف

نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا، اور انبیاءؑ ماتحت علیہم السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معانی خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح وبسط کماینبغی اوپر کرچکا ہوں اب یہ گذارش ہے کہ مضامین سابقہ کو فرادیٰ فرادیٰ اگر دیکھئے تو عجب نہیں کہ بعضے حجتی الامتی تسلیم میں کچھ حیلہ حجت کریں اور بعضے نامعقول باین خیال کہ اکثر استدلالاتِ مذکور آنی ہیں سو لیا اعتبار تکرار سے پیش آئیں پر اہل فطانت وفراست اور اہل حدس سے تو یوں امید ہے کہ جیسے اختلاف تشکلات کو دیکھ کر بعد ملاحظۂ قرب وبُعد باہمی و لحاظ کرویت ارض وسماء یہ سمجھے کہ نور قمر نور آفتاب سے مستفید ہے ایسے بعد لحاظ مضامین مسطورہ فرق مراتب انبیاءؑ کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ کمالات انبیاءؑ سابق اور انبیاءؑ ماتحت کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد ہیں اور جیسے اختلاف تشکلات وغیرہ تنہا تنہا دلالت مطلوب میں کافی نہیں اسی طرح مضامین مذکورہ فرادی فرادیٰ گو کسی بد فہم کو کافی نہ معلوم ہوں پر سب مل کر لاریب مضمون معلوم پر اتنی تو دلالت ضرور کرتی ہیں جتنے اختلاف تشکلات قمر وغیرہ استفادہ مذکور پر یوں کہئے جیسے بہت عوارض عامہ سے مل کر ایک خاصہ مطلق پیدا ہوجاتا ہے اور خاصہ بن جاتا ہے، چنانچہ رسم ناقص ایساغوجی تو دیکھنے سے ظاہر ہے ایسے ہی دلائل مذکورہ اگر کسی کی نظروں میں تنہا تنہا اگر عام بھی ہوں تو سب مل کر مطلوب مذکور کے مساوی ہی ہوجاتے ہیں مگر یہ بات بطور تنزل وجزم و احتیاط معروض تھی

ورنہ نظرِ غائر اور فکر صائب اور طبع سلیم اور ذہن مستقیم اور عقل وقاد اور قلب ذکی ہو تو سب امور منجملہ خواص ختم نبوت مطلق ہیں قلّتِ فرصت وکثرت مشاغل و تقاضاء سائل نہ ہوتا تو انشاء اللہ اس دعوے کے ثبوت اجمالی کو مفصل لکھتا، سو جیسے دھوپ کو دیکھ کر آفتاب کے طلوع میں اور دھواں دیکھ کر آگ کے وجود میں اور خوشبو سونگھ کر عطر کے ہونے میں اور کسی کی آواز سُنکر اس کے مطلق انسان ہونے میں تأمل نہیں رہتا ایسے ہی امور مذکورہ سے ختم نبوت مطلقہ پر استدلال قابل تأمل نہیں اور یہیں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ تمام استدلالات انیٰ محل تأمل نہیں ہوتے ورنہ خدا کی خدائی جو عالم کو دیکھ کر معلوم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو اعجاز وغیرہ سے ثابت ہوتی ہے یا کسی کی ذکاوت، کسی کی غباوت، کسی کی سخاوت، کسی کا بخل، کسی کی شجاعت کسی کا جبن جو آثار معلومہ سے معلوم ہوتے ہیں سب محل تأمل ہو جائیں بجز اس کے کیا کہا جائیگا کہ جیسے یہ امور تنہا تنہا خواص مدلولات ہیں یا مثل عوارض عامہ مجتمع ہوکر خاصہ بن جاتے ہیں جیسے خوارق اور اخلاق حمیدہ اور دعوت الی الدین سوائے نبی کے کسی اور میں نہیں ہوتی ایسے ہی اور مسطورہ اوراق گذشتہ جو دربارۂ اثبات خاتمیت بطور مذکور ذکر کئے گئے ہیں تنہا تنہا یا باہم مل کر مطلوب معلوم کے ساتھ خاص ہیں۔ اب یہ گذارش ہے کہ ہر چند آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ لکھی ہو پر جیسے مفسران متاخر نے مفسران متقدم کے خلاف کیا

ہے میں نے یہی ایک نئی بات کہدی تو کیا ہوا معنی مطابقی آیا اگر
اس احتمال پر منطبق نہ ہوں تو البتہ گنجائش تکفیر ہے اور یوں کہہ
سکتے ہیں کہ موافق حدیث مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْیِہٖ فَقَدْ
کَفَرَ یہ شخص کافر ہوگیا پر اس صورت میں یہی گنہگار تنہا کافر نہ
بنے گا یہ تکفیر بڑے بڑوں تک پہونچے گی ہاں اگر انصاف ہو تو اس
حدیث کے معنی میں عرض کرتا ہوں سنئے، مفہوم کلی ہزارہا افراد پر
منطبق آتا ہے ہر فرد اس کے لئے احتمال صحیح ہوا کرتا ہے سو اگر آیات
قرآنی میں کوئی امر کلی مذکور ہو تو دربارۂ احتمالات فردی خواہ انمیں
باہم نسبت توارد علیٰ سبیل البدلیت ہو یا نہ ہو وہ آیت مجمل ہوگی
سو ان احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو بے دلیل متعلق کردینا
بایں قرینہ راجح سمجھنا اور پھر وہ پردہ دعوی نبوت ہے جس کی
وجہ سے ہر شخص آج کافر گنا جاتا ہے، ہاں اگر کوئی دلیل عقلی یا
نقلی ہو یا کوئی قرینہ عقلی یا نقلی ہو اور پھر بقدر قوت دلیل وقرینہ
کوئی شخص کسی احتمال کو راجح کہے تو ہرگز کفر نہیں ورنہ ہمیشہ تک
دقایق ونکات کا نکلتے چلے آنا جیسے بعض احادیث مرفوعہ مثل
لا یشبع منه العلماء ولا یخلق عن کثرة الرد و لا ینقضی
عجائبه اس پر دلالت کرتی ہیں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے ہاں
جب کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ تو پھر ترجیح احد الاحتمالات
محض اپنی عقل نارسا کا ڈھکوسلا ہے، اور اس کو تفسیر بالرائے اٰئنی
تفسیر بالہوی اور تفسیر من عند نفسہ کہہ سکتے ہیں ورنہ تفسیر بالرائی
کیوں کہتے ہو تفسیر بالدلیل یا بالقرینہ کہو اگر توضیح بالمثال مدنظر

ہے تو سنئے کہ عقل کو خوردبین اور دوربین معلومات دقیقہ اور مضامین دور دراز سمجھئے جیسے اجسام صغیرہ وبعیدہ بوسیلۂ خوردبین ودوربین خوب واضح اور پاس معلوم ہوتے ہیں ایسے ہی بوسیلۂ عقول صافیہ وسلیمہ مضامین دقیقہ اور معلومات بعیدہ واضح اور اقرب الی الذہن معلوم ہوتی ہیں، مگر جیسے مدرکات خوردبین و دوربین حقیقت میں عین معلوم نہیں ہوتا ورنہ فرق مقدار اور تفاوت بُعد کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ معلوم کی ایک مثال اور شبہ ہوتی ہے وقت ادراک معلومات دقیقہ و بعیدہ کنہ یا وجہ جو کچھ ذہن میں آتی ہے ایک مثال اور شبہ مضامین مذکورہ سمجھئے مگر جیسے شبہ آئینہ میں علاوہ اعضاء و اجزاء ذی شبہ رنگ آئینہ بھی جو کچھ ہو سبز فرض کیجئے یا سرخ لاحق ہو جاتا ہے اور اس رنگ کو اثر ذی شبہ نہیں کہہ سکتے اثر آئینہ کہتے ہیں، ایسے ہی کہئے بعض مضامین زائد از اصل معلوم شبہ معلوم کو ذہن میں اگر لاحق ہو جاتے ہیں اور اس لحوق کے باعث ان کو اصل معلوم کرنے کی طرف نسبت نہیں کر سکتے بلکہ ذہن عالم کی طرف کیے جائیں گے، جب یہ مثال اور یہ تمہید ذہن نشین ہو گئی تو اب سنئے کہ تفسیریں امر مجمل کو واضح کر دیتی ہیں کچھ بڑھاتی گھٹاتی نہیں، انسان کو اگر حیوان ناطق کہا تو ایک امر مجمل کو واضح کر دیا ہے زائد از اصل کچھ بڑھا نہیں دیا سو بعینہ وہی قصہ ہے جو ادراک خوردبین میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے اگر ہم تصویر آئینہ کو تفسیر ذی شعور تصویر کہیں تو بجا ہے اور سفید جسم کو اگر خوردبین سبز آئینہ سے دیکھیں تو اس رنگ سبز

کو جو تصویر آئینہ میں لاحق ہو جاتا ہے اور رنگ اصلی معلوم ہوتا ہے تفسیر بالمرآۃ کہیں تو زیبا ہے، ایسے ہی وہ مضامین جن سے مرتبہ اجمال میں کچھ تعرض نہ ہو اور کسی کی رائے یعنی عقل کیجانب سے لاحق ہو جائیں تو پھر ان کو تفسیر بالرائے کہیں تو بیجا ہے، بہر حال تفسیر مثل الضباح خوردبین توضیح ہوتی ہے، انشاء اللہ اور ایجاد نہیں ہوتا، چھوٹی چیز بڑی ہو جاتی ہے اشیاء معدومہ موجود نہیں ہو جاتے، سو چھوٹی چیز کا بڑا معلوم ہونا جیسے از قسم توضیح مقدار ہے ایسے ہی کسی رنگ کا صاف نظر آنا توضیح لون سفید کا سیاہ یا سرخ و سبز معلوم ہونا توضیح رنگ سفید نہیں بلکہ تغیر رنگ ہے، جس میں ایک رنگ کا اعدام اور دوسرے رنگ کا ایجاد ہے، اس تقریر پر یہ شبہ کہ مقدار زائد بھی اصل حقیقت سے زائد ہے، مرتفع ہو گیا، دوسرے جس چیز کا ادراک بوسیلۂ مرایا و مناظر مطلوب ہوا کرتا ہے اس قسم کی جو بات بوسیلہ مرایا معلوم ہو گی منجملہ تفسیر سمجھی جائے گی سو وہ بات اگر اصل مجمل ہے تب تو تفسیر بالاصل ہو گی نہیں تو تفسیر بالمرآۃ کہیں گے اور جو چیز بوسیلہ مرایا و مناظرہ مطلوب ہی نہیں ہوتی وہ بات اگر معلوم بھی ہوئی تو اس کو تفسیر کیوں کہیئے تفسیر تو اس کو کہنا چاہیئے جس سے کوئی اجمال مبدل بہ تفصیل اور کوئی اشکال مبدل بالخلال ہو اور ظاہر ہے کہ مقادیر اور مواضع بوسیلۂ مرایا و مناظر مطلوب نہیں ہوا کرتی ورنہ لازم آئیگا کہ اصل مقدار اشیاء مبصرہ بالمرایا اور مواضع اشیاء مذکورہ وہ ہوا کریں جو بوسیلہ خوردبین معلوم ہوں، بالجملہ تفسیر بالرائے وہ

ہے جو امر مجمل ومفسر میں اصلاً دور بین نہ ہو بلکہ اس امر میں کلام مجمل ساکت ہو اور مرتبہ تفسیر وتفصیل میں وہ امر داخل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کا داخل کرنا تصرفات خیالی میں جو ہمارے عقول ناقصہ کا کام ہوتا ہے باقی جو باتیں بوسیلہ کسی دلیل عقلی یا نقلی کے شامل کی جائیں اس کو اہل ظاہر گو تفسیر کہیں پر حقیقت میں تفسیر نہیں ہوتی بلکہ وہ کلاموں کے جداگانہ مضمونوں کو اکٹھا کردیا کرتے ہیں اگر تفسیر کے ایسے معنی عام لیجئے جس میں یہ بھی شامل ہوجائے تو پھر اختیار ہے لامشاحۃ فی الاصلاح بہر حال ایسی صورت میں تفسیر بالدلیل یا تفسیر بالقرینہ کہیں گے تفسیر بالرائے نہ کہیں گے۔ الغرض ناظران اوراق کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ بے وجہ فوارۂ کفر نہ بنیں کہ جو سامنے آیا ایک کفر کا چھینٹا جڑا، مولویوں کا کام یہ نہیں کہ مسلمانوں کو کافر بنائیں ان کا کام یہ ہے کہ کافروں کو مسلمان کریں اعتبار نہ ہو تو پہلے علماء کے افسانے یاد کرو، سو اس زمانے کے علماء سے ہوسکے تو اس گنہگار کو جس کا اسلام برائے نام ہے دستگیری فرماکر ورطۂ ہلاکت سے نجات دیں اور ساحلِ سعادت تک پہونچائیں۔

وما علینا الا البلاغ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

جواب دیگر از علماء لکھنؤ

ھو المصوب

مخفی نہ رہے کہ حدیث مذکور محققین محدثین کے نزدیک معتمد ہے، حاکم نے اس کے حق میں صحیح الاسناد کہا، اور ذہبی نے حسن الاسناد کا حکم دیا اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت قادحہ معتمدہ نہیں ہے اور زمین کے طبقات جداگانہ ہونا بہت احادیث سے ثابت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سلسلہ نبوت اس طبقہ میں واسطے ہدایت سکان کے تیار ہوا اسی طرح سے ہر ہر طبقہ میں سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا اور چونکہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ لاتناہی سلسلہ کی باطل ہے لاجرم ہر طبقہ ایک مبدء سلسلہ ہوگا وہ ہمارے آدم کے ساتھ مشابہ کیا گیا اور ایک آخر سلسلہ ہوگا وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا پس بناء علیہ اور آخر انبیاءؑ طبقات تحتانیہ پر اطلاق خاتم کا درست ہے، اب یہاں تین احتمال ہیں، ایک یہ کہ خاتم طبقات تحتانیہ بعد عصر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے ہوں دوسرے یہ کہ مقدم ہوئے ہوں، تیسرے یہ کہ ہم عصر ہوں احتمال اول بحدیث لانبیؐ بعدی وغیرہ باطل ہے، اور بر تقدیر احتمال ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاءؑ طبقات ہوں گے اور بر تقدیر ثالث

دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص ساتھ ہی طبقہ کے ہو اور آپ کی خاتمیت بہ نسبت انبیائؑ اسی طبقہ کے ہو اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کے خاتم کی رسالت ہو اور ہر ایک ان میں کے صاحب شرع جدید و خاتم انبیاء اپنے طبقات کا ہو دوسرے یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ متبع شریعت محمدؐیہ ہوں اور کوئی ان میں کا صاحب شرع جدید نہ ہو اور دعوت ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام اور ختم آپ کا بہ نسبت جملہ انبیائؑ جملہ طبقات کے حقیقی ہو اور ختم ہر ایک خاتم باقیہ کا بہ نسبت اپنے اپنے سلسلہ کے اضافی ہو، احتمال اول بسبب عموم نصوص بعثت نبویہ کے کہ جس سے صاف آنحضرت صلعم کا مبعوث ہونا تمام عالم پر معلوم ہوتا ہے باطل ہے اور علماء اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ کی عام ہے اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدؐیہ کا ہوگا، چنانچہ تقی الدین سبکی سے جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ "الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام" میں نقل کرتے ہیں: قال السبکی فی تفسیر له ما من نبی الا اخذ اللّٰه علیہ المیثاق انه ان بعث محمد فی زمانه لیؤمننّ به ولینصرنه ویوصی امته بذلك، وفیه من النبوة وتعظیم قدره مما لا یخفی وفیه مع ذلك انه علیٰ تقدیر مجیئه فی زمانهم یکون مرسلاً الیهم یکون نبوته رسالة عامة لجمیع الخلق من زمن آدم

الیٰ یوم القیامة ویکون الانبیاء واممهم کلهم من امته فالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم نبیّ الانبیاء ولواتفق بعثه فی زمن اٰدم ونوح وابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ وجب علیهم وعلیٰ اممهم الایمان به ونصرته ولهذا یأتی عیسیٰ فی اٰخرالزمان علیٰ شریعته ولوبعث النبی علیه الصلوٰة والسلام فی زمانه وفی زمان موسیٰ وابراهیم ونوح واٰدم کانوا مسترین علیٰ نبوتهم ورسالتهم الیٰ اممهم والنبی علیه السّلام نبیّ علیهم ورسول الیٰ جمعیتهم۔ انتھیٰ

اور بحرالعلوم مولانا عبدالغنی اپنے رسالہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں "مقتضی ختم رسالت دو چیز است یکے آں کہ بعد وے رسول نباشد و دیگر آں کہ شرع وے عام باشد، و ہر کسے کہ موجودہ باشد وقت نزولِ شرع وے اتباع شرع وے برو واجب و فرض است و سرش ایں کہ ہمہ رسل در اخذ شرع مستمد از خاتم رسالت اند چونکہ شرع وے عام باشد پس دیگرے صاحب شرع نباشد۔ انتہیٰ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیث ابن عباسؓ صحیح و معتبر ہے اور اس سے طبقات تحتانیہ میں وجود انبیاءؑ ثابت ہے اور بسبب بطلان لاتناہی سلسلہ کہ ہر ایک طبقہ میں ایک آخر انبیاءؑ بہ نسبت اس طبقہ کے ہونا ضروری ہے لیکن مطابق عقائد اہل سنت یہ امر ہے کہ دعوت ہمارے حضرت کی عام ہے تمام مخلوقات کو شامل ہے۔

پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیئے کہ خواتم طبقات باقیہ بعد

عصر نبویہ نہیں ہوئے یا قبل ہوئے یا ہمعصر اور بر تقدیر اتحاد عصر وہ متبع شریعت محمدیہ ہوں گے اور ختم ان کا بہ نسبت اپنے طبقہ کے اضافی ہوگا اور ختم ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام ہوگا اور تفصیل ان امور کی میں نے کما حقہ اپنے دو رسالوں میں ایک مسمیٰ بہ "الآیات البینات علیٰ وجود الانبیاءؑ فی الطبقات" دوسرے مسمیٰ بہ "دافع الوسواس فی اثر ابن عباسؓ" کی ہے ہرگاہ کہ یہ امر ممہد ہوچکا پس سمجھنا چاہئے کہ زید کو جس نے یہ عبارت جو سوال میں مرقوم ہے لکھی ہرگاہ مماثلت سے انکار ہے اور صحت حدیث وثبوت تعدد خواتم طبقات تحتانیہ کا قائل ہے مخالف اہل سنت کے نہیں ہے، نہ کافر ہے نہ فاسق بلکہ متبع سنت ہے مگر ہاں اگر نبوت محمدیہ کو ساتھ اسی طبقہ کے خاص کرتا ہو اور ہر ایک خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو تو البتہ قابل مؤاخذہ کے ہے کیوں کہ یہ امر خلاف تصوف وخلاف کلمات علماء معلوم ہوتا ہے اور اگر مجرد تعدد خواتم کا قائل ہو اور ختم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی بہ نسبت جملہ انبیاءؑ جملہ طبقات کے سمجھتا ہو اور ختم ہر ایک خاتم باقیہ کو اضافی کہتا ہو تو اس پر کچھ مؤاخذہ نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

حررہ راجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی۔

واقعی زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق نہ ہوگا۔ ۱

واللہ اعلم بالصواب وعندہ امّ الکتاب
کتبہ ابو المحیا، محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم ۱۲۹۰ـ ۵ سو ۱۰
والخفی وحفظہ عن موجبات الغی۔

اصاب المجیب کتبہ ابوالجبیش محمد مہدی عفا عنہ الہادی ۔ اور عدم تکفیر وتفسیق وخروج پر علماء دیوبند اور سہارن پور اور گنگوہ اور الہ آباد اور آگرہ اور سورت نے اتفاق کیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک اور سب جوابوں کو حرف بہ حرف لکھنے کی ضرورت نہیں کہ مطالب سب کے ان دونوں جوابوں میں آگئے۔

محمد عبدالحی ابوالحسنات	محمد مہدی ابوالجیش

مہر

ختم شد

کتبہٗ: ابوالحسنات ساؔدر القاسمی دیوبند ۹۷ء